سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳-لوئر مال روڈ، لاہور

نام کتاب : تعلیمات

مصنف : سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اشاعت	ایڈیشن	تعداد
	۱ تا ۱۴ اگست ۱۹۹۹ء	
	۱۵- اگست ۲۰۰۲ء	۶۰۰

اہتمام : پروفیسر محمد امین جاوید (مینجنگ ڈائریکٹر)

ناشر : اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

3- کورٹ سٹریٹ، لوئر مال، لاہور (پاکستان)

فون: 7248676-7320961 فیکس: 7214974

ویب سائٹ : www.islamicpak.com.pk

ای میل : info@islamicpak.com.pk
islamicpak@hotmail.com

مطبع : پرنٹ یارڈ، لاہور۔

قیمت : -/65 روپے

عرض ناشر

تعلیم کے موضوع پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب کی تحریروں کا یہ مجموعہ پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اب اس میں مولانا موصوف کے تین تازہ ترین مضامین :۔

۱۔ اسلامی یونیورسٹی کا نصاب۔

۲۔ اسلامی نظام تعلیم،

۳۔ عالم اسلام کی تعمیر میں مسلمان طلبہ کا کردار

شامل کر کے شائع کیا جارہا ہے۔ اس طرح اب اس مجموعہ میں وہ تمام تحریریں شامل ہو گئی ہیں جو آپ نے اس موضوع پر آج تک رقم فرمائی ہیں۔

ان میں پہلا مضمون "اسلامی یونیورسٹی کا نصاب" اس سکیم پر مشتمل ہے جو انہوں نے مدینہ یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں حکومت سعودیہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

دوسرا مضمون "اسلامی نظام تعلیم" اس جواب پر مشتمل ہے جو انہوں نے پہلے مارشل لاء کے زمانے میں تعلیمی اصلاحات کے کمیشن کے سوالنامہ کے جواب میں ارسال فرمایا تھا۔

تیسرا مضمون دراصل ایک تقریر ہے جو موصوف نے طلبہ کے ایک اجتماع میں کی تھی، اس کو اب کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب ان تمام حضرات کے لئے ایک رہنما ثابت ہوگی جو

مسلمانوں کے لئے ایک جامع اسلامی نظام تعلیم کے خواہشمند ہیں اور اس کو جاری کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

لاہور

۱۷ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ

بمطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۷۱ء

مینجنگ ڈائرکٹر

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ

لاہور

فہرست موضوعات

ہمارے نظام تعلیم کا بنیادی نقص

آج سے تقریباً ۳۵ برس پہلے ۱۹۳۵ء میں یہ سوال بڑے زور شور سے اٹھایا گیا کہ آخر مسلمانوں کی قومی درسگاہوں سے ملاحدہ اور الحاد و دہریت کے مبلغین کیوں اس کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ شکایت تھی کہ اس سے فارغ التحصیل ۹۰ فیصد طلبا الحاد و دہریت میں مبتلا ہیں۔ جب یہ چرچا عام ہونے لگا اور ملک بھر میں اس کے خلاف مضامین لکھے جانے لگے تو علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف سے اس شکایت کا جائزہ لینے اور اصلاح حال کی تدبیر پر غور و خوض کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے کافی بحث و تمحیص اور غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اسی نصاب تعلیم میں دینیات کے عنصر کو پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ کر دینے سے طلباء کے اندر بڑھتے ہوئے الحاد و دہریت کے سیلاب کے آگے بند باندھا جاسکتا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اگست ۱۹۳۶ء کے ترجمان القرآن میں اصلاح و احوال کی اس تدبیر کا تفصیلی جائزہ لے کر اس وقت کے مروجہ نظام تعلیم کے اصلی اور بنیادی نقص کی نشان دہی کی اور اس نقص کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

مسلم یونیورسٹی کورٹ نے اپنے گزشتہ سالانہ اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۳۶ء میں ایک ایسے اہم مسئلے کی طرف توجہ کی ہے جو ایک عرصہ سے توجہ کا محتاج تھا۔ یعنی دینیات اور علوم اسلامیہ کے ناقص طرز تعلیم کی اصلاح، اور یونیورسٹی کے طلباء میں حقیقی اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی ضرورت۔ جہاں تک جدید علوم و فنون اور ادبیات کی تعلیم کا تعلق ہے، حکومت کی قائم کی ہوئی یونیورسٹیوں میں بہتر سے بہتر انتظام موجود ہے کم از کم اتنا ہی بہتر جتنا خود علی گڑھ میں ہے۔ محض اس غرض کے لئے مسلمانوں کو اپنی ایک الگ یونیورسٹی قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ایک مستقل قومی یونیورسٹی

قائم کرنے کا تخیل جس بنا پر مسلمانوں میں پیدا ہوا، اور جس بنا پر اس تخیل کو مقبولیت حاصل ہوئی وہ صرف یہ ہے کہ مسلمان جدید علوم سے استفادہ کرنے کے ساتھ مسلمان بھی رہنا چاہتے ہیں۔ یہ غرض سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پوری نہیں ہوتی۔ اسکے لئے مسلمانوں کو اپنی ایک اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت ہے۔ اگر ان کی اپنی یونیورسٹی بھی یہ غرض پوری نہ کرے، اگر وہاں سے بھی ویسے ہی گریجویٹ نکلیں، جیسے سرکاری یونیورسٹی سے نکلتے ہیں۔ اگر وہاں بھی دیسی صاحب لوگ یا ہندی وطن پرست یا اشتراکی ملاحدہ ہی پیدا ہوں تو لاکھوں روپے کے صرف سے ایک یونیورسٹی قائم کرنے اور چلانے کی کونسی خاص ضرورت ہے؟

یہ ایسا سوال تھا جس پر ابتدا ہی میں کافی توجہ کرنے کی ضرورت تھی جب یونیورسٹی قائم کی جارہی تھی۔ اس وقت سب سے پہلے اسی بات پر غور کرنا چاہئے تھا کہ ہم کو ایک علیحدہ یونیورسٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اس ضرورت کو پورا کرنے کی کیا سبیل ہے؟ مگر کسی نقاد نے آج کل کے مسلمانوں کی تعریف میں شاید سچ ہی کہا ہے کہ یہ کام پہلے کرتے ہیں اور سوچتے بعد میں ہیں۔ جن لوگوں کو یونیورسٹی بنانے کی دھن تھی اس کا کوئی نقشہ ان کے ذہن میں نہ تھا۔ یہ سوال سرے سے پیش نظر ہی نہ تھا کہ ایک مسلم یونیورسٹی کیسی ہونی چاہئے اور کن خصوصیات کی بنا پر کسی یونیورسٹی کو "مسلم یونیورسٹی" کہا جاسکتا ہے۔ اس عمل بلا فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ بس ویسی ہی ایک یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی قائم ہوگئی جیسی ایک آگرہ میں اور دوسری لکھنؤ میں اور تیسری ڈھاکہ میں ہے۔ لفظ مسلم کی رعایت سے کچھ دینیات کا حصہ بھی نصاب میں شامل کردیا گیا تاکہ جب کوئی دریافت کرے کہ اس یونیورسٹی کے نام میں لفظ "مسلم" کیوں رکھا گیا ہے تو اس کے سامنے قدوری اور منیتہ المصلی اور ہدایہ بطور سند اسلامیت پیش کردی جائیں۔ مگر درحقیقت یونیورسٹی کی تاسیس و تشکیل میں کوئی ایسی خصوصیت پیدا نہیں ہوئی جس کی بنا پر وہ دوسری یونیورسٹیوں سے ممتاز ہو کر حقیقی معنوں میں ایک "اسلامی یونیورسٹی" ہوتی۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں تعمیر کے شوق اور

جوش نے صحیح اور مناسب نقشہ پر غور کرنے کی مہلت نہ دی ہو۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یونیورسٹی قائم ہوئے پندرہ سال ہوگئے' اور اس دوران میں ہمارے تعلیمی ناخداؤں نے ایک مرتبہ بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان کی اصلی منزل مقصود کیا تھی' اور ان کا رہرو پشت بمنزل جا کدھر رہا ہے۔ ابتدا سے حالات بتا رہے ہیں کہ یہ درس گاہ نہ اس ڈھنگ سے چل رہی ہے جس پر ایک اسلامی درسگاہ کو چلنا چاہئے اور نہ وہ نتائج پیدا کررہی ہے جو دراصل مطلوب تھے۔ اس کے طلباء اور ایک سرکاری یونیورسٹی کے طلبہ میں کوئی فرق نہیں۔ اسلامی کیریکٹر' اسلامی اسپرٹ' اسلامی طرز عمل مفقود ہے۔ اسلامی تفکر اور اسلامی ذہنیت ناپید ہے۔ ایسے طلبا کی تعداد شاید ایک فیصدی بھی نہیں جو اس یونیورسٹی سے ایک مسلمان کی نظر اور مسلمان کا نصب العین لے کر نکلے ہوں اور جن میں یونیورسٹی کی تعلیم و تربیت نے یہ قابلیت پیدا کی ہو کہ اپنے علم اور قوائے عقلیہ سے کام لے کر ملت اسلامیہ میں زندگی کی کوئی نئی روح بھونک دیتے یا کم از کم اپنی قوم کی کوئی قابل ذکر علمی و عملی خدمت ہی انجام دیتے۔ نتائج کی نوعیت اگر محض سلبی ہی رہتی تب بھی بسا غنیمت ہوتا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور زیر تعلیم طلباء میں ایک بڑی تعداد ایسے نوجوانوں کی پائی جاتی ہے جن کا وجود اسلامی تہذیب اور مسلمان قوم کے لیے نفع نہیں' بلکہ الٹا نقصان ہے۔ یہ لوگ روح اسلامی سے نا آشنا ہی نہیں بلکہ اس سے قطعاً" منحرف ہوچکے ہیں ان میں مذہب کی طرف سے سرد مہری ہی نہیں بلکہ نفرت سی پیدا ہو گئی ہے اس کے ذہن کا سانچہ ایسا بنا دیا گیا ہے کہ تشکیک کی حد سے گزر کر انکار کے مقام پر پہنچ گئے ہیں اور ان اصول اولیہ کے خلاف بغاوت کررہے ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔

حال میں خود مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نوجوانوں میں سے ایک صاحب نے جو محض اپنی سلامت طبع کی وجہ سے مرتد ہوتے ہوتے رہ گئے' اپنے ایک پرائیویٹ خط میں وہاں کے حالات کی طرف چند ضمنی اشارات کیے ہیں۔ یہ خط اشاعت کے لیے نہیں ہے اور نہ خصوصیت کے ساتھ علی گڑھ کی کیفیت بیان کرنے کے لئے

لکھا گیا ہے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یونیورسٹی کی باطنی کیفیت کا نہایت صحیح مرقع ہے۔ صاحب خط نے خود اپنے ذہنی ارتقا کی روئیداد بیان کرتے لکھا ہے:۔

"علی گڑھ میں مجھے اسلامی دنیا کے خارجی فتنے اور تفرنج کی آخری ارتقائی منزل یعنی کمیونزم ۔سے دوچار ہونا پڑا۔ میں پہلے مغربیت کو کوئی خطرناک چیز نہ سمجھتا تھا۔ لیکن علی گڑھ کے تجربات نے مجھے حقیقت سے روشناس کرا دیا۔ اسلامی ہند کے اس مرکز میں خاصی تعداد ایسے افراد کی موجود ہے جو اسلام سے مرتد ہو کر کمیونزم کے پرجوش مبلغ بن گئے ہیں۔ اس جماعت میں اساتذہ تمام ذہین اور ذکی اور نووارد طلباء کو اپنے جال میں پھانستے ہیں۔ ان لوگوں نے کمیونزم کو اس لیے اختیار نہیں کیا کہ وہ غریبوں اور کسانوں اور مزدوروں کی حمایت اور امداد کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کی عملی مسرفانہ زندگیاں ان کی بناوٹی باتوں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔ بلکہ انہوں نے اسے اس لئے اختیار کیا ہے کہ وہ ایک عالم گیر تحریک کے سایہ میں اپنی اخلاقی کمزوریوں اور اپنے ملحدانہ رجحانات طبع اور اپنی (Thinking Loose)کو (Justify) کرسکیں۔ کمیونزم نے پہلے مجھے بھی دھوکہ دیا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ اسلام ہی کا ایک (Unauthorised) ایڈیشن ہے لیکن بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام کے اور اس کے بنیادی نصب العین میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی تعلیم و تربیت صرف ناقص ہی نہیں بلکہ ان مقاصد کے بالکل برعکس نتائج پیدا کررہی ہے۔ جن کے لیے سرسید احمد خاں محسن الملک اور وقارالملک وغیرہم نے ایک مسلم یونیورسٹی کی ضرورت ظاہر کی تھی اور جن کے لئے مسلمانوں نے اپنے بساط سے بڑھ کر جوش و خروش کے ساتھ اس درسگاہ کی تعمیر کا خیر مقدم کیا تھا۔

آپ اس انجینئر کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جس کی بنائی ہوئی موٹر آگے

چلنے کے بجائے پیچھے دوڑتی ہو؟ اور وہ انجینئر آپ کی نگاہ میں کیسا ماہر فن ہوگا جو اپنی بنائی ہوئی موٹر کو مسلسل اور پیہم الٹی حرکت کرتے دیکھتا رہے اور پھر بھی محسوس نہ کرے کہ اس کے نقشے میں کوئی خرابی ہے؟ غالباً" ان صفات کا کوئی میکانیکل انجینئر تو آپ کو نہ مل سکے گا۔ لیکن آپ کی قوم کے تعلیمی انجینئر جس درجہ کے ماہر فن ہیں اس کا اندازہ آپ اس امرواقعہ سے کر لیجئے کہ وہ ایک تعلیمی مشین بنانے بیٹھتے تھے جس کو اسلامی نصب العین کی جانب حرکت دینا مقصود تھا مگر جو مشین انہوں نے بنائی' وہ بالکل سمت مخالف میں حرکت کرنے لگی' اور مسلسل پندرہ سال تک حرکت کرتی رہی اور ایک دن بھی ان کو محسوس نہ ہوا کہ ان کے نقشہ تعمیر میں کیا غلطی ہے' بلکہ کوئی غلطی ہے بھی یا نہیں! بعد از خرابی بسیار اب یونیورسٹی کورٹ کو یاد آیا ہے کہ :

"مسلم یونیورسٹی کے مقاصد اولیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں اسلامی روح پیدا کرے"

اور اس غرض کے لئے اس نے سات اشخاص کی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کے سپرد یہ خدمت کی گئی ہے کہ:

"تمام صورت حال کا جائزہ لے اور دینیات اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لیے ایسے جدید اور ترقی یافتہ ذرائع اختیار کرنے کی سفارش کرے جو ضروریات زمانہ سے مناسبت رکھتے ہوں اور جن سے اسلامی تعلیمات کو زیادہ اطمینان بخش طریق پر پیش کیا جا سکے"

بڑی خوشی کی بات ہے' نہایت مبارک بات ہے۔ صبح کا بھولا اگر شام کو واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ اگر اب بھی ہمارے تعلیمی انجینئروں نے یہ محسوس کرلیا ہو کہ ان کی تعلیمی مشین غلط نقشے پر بنی ہے' اور اپنے مقصد ایجاد کے خلاف اس کے چلنے کی اصلی وجہ محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ نقشہ تاسیس و تشکیل کی خرابی ہے تو ہم خوشی کے ساتھ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں کہ مضیٰ ما مضیٰ' آؤ اب اپنے پچھلے نقشے کی غلطیوں کو سمجھ لو' اور ایک صحیح نقشہ پر اس مشین کو مرتب کرو۔ لیکن ہمیں شبہ

ہے کہ اب بھی غلطی کا کوئی صحیح احساس ان حضرات میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ ابھی تک وہ اس امر کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ان کے نقشے میں کوئی بنیادی خرابی ہے۔ محض نتائج کی خوفناک ظاہری صورت ہی سے وہ متاثر ہوئے ہیں اور بالکل سطحی نگاہ سے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔

خدا کرے کہ ہمارا یہ شبہ غلط ہو مگر پچھلے تجربات ہم کو ایسا ہی شبہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

پچھلی صدی کے وسط میں جب دو صدیوں کا پیہم انحطاط ایک خوفناک سیاسی انقلاب پر منتہی ہوا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کے ڈوبتے ہوئے بیڑے کو سنبھالنے کے لئے پردۂ غیب سے چند ناخدا پیدا ہوگئے تھے وہ وقت زیادہ غور و خوض کا نہ تھا۔ یہ سوچنے کی مہلت ہی کہاں تھی کہ اس شکستہ جہاز کے بجائے ایک نیا اور پائیدار جہاز کس نقشے پر بنایا جائے۔ اس وقت تو صرف یہ سوال درپیش تھا کہ یہ قوم جو ڈوب رہی ہے اس کو ہلاکت سے کیوں کر بچایا جائے؟ ناخداؤں میں سے ایک گروہ نے فوراً" اپنے اسی پرانے جہاز کی مرمت شروع کردی' ان ہی پرانے تختوں کو جوڑا' ان کے رختوں کو بھرا اور پھٹے ہوئے بادبانوں کو رفو کرکے جیسے تیسے بن پڑا ہوا بھرنے کے قابل بنالیا۔ دوسرے گروہ نے لپک کر ایک نیا دخانی جہاز کرایہ پر لے لیا' اور ڈوبنے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کو اس پر سوار کردیا۔ اس طریقہ سے دونوں گروہ اس اچانک مصیبت کو ٹالنے میں کامیاب ہوگئے مگر یہ دونوں تدبیریں صرف اس حیثیت سے کامیاب تھیں کہ انہوں نے فوری ضرورت کے لحاظ سے چارہ سازی کردی' اور ڈوبتوں کو ہلاکت سے بچالیا۔ ان میں حکمت اور دانشمندی جو کچھ بھی تھی صرف اسی حد تک تھی۔ اب جو لوگ اس وقت کے ٹل جانے کے بعد بھی انہی دونوں تدبیروں کو ٹھیک انہی دونوں شکلوں پر باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا طرز عمل حکمت و دانش کے خلاف ہے۔ نہ تو پرانا بادبانی جہاز اس قابل ہے کہ مسلمان صرف اسی پر بیٹھ کر ان قوموں سے مسابقت کریں جن کے پاس اس سے ہزار گنی زیادہ تیز رفتار سے چلنے والے مشینی جہاز

ہیں نہ کرایہ پر لیا ہوا دخانی جہاز اس لائق ہے کہ مسلمان اس کے ذریعے سے اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکیں' کیونکہ اس کا ساز و سامان تو ضرور نیا ہے اور اس کی رفتار بھی تیز ہے اور وہ کلدار بھی ہے مگر وہ دوسروں کا جہاز ہے۔ اس کا ڈیزائن ان ہی کے مقاصد اور ان ہی کی ضروریات کے لئے موزوں ہے' اور اس کے رہنما اور ناخدا بھی وہی ہیں لہٰذا اس جہاز سے بھی ہم یہ امید نہیں کر سکتے کہ ہمیں اپنی منزل مقصود کی طرف لے جائے گا' بلکہ اس تیز رفتاری سے الٹا خطرہ یہ ہے کہ وہ ہمیں زیادہ سرعت کے ساتھ تو مخالف سمت پر لے جائے گا اور روز بروز ہمیں اپنی منزل مقصود سے دور کرتا چلا جائے گا۔ فوری ضرورت کے وقت تو وہ لوگ بھی حق بجانب تھے جنہوں نے پرانے جہاز کی مرمت کی اور وہ بھی غلطی پر نہ تھے۔ جنہوں نے کرایہ کے جہاز پر سوار ہو کر جان بچائی۔ مگر اب وہ بھی غلطی پر ہیں جو پرانے جہاز پر ڈٹے بیٹھے ہیں اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو اسی کرایہ کے جہاز پر جمے ہوئے ہیں۔

اصلی رہنما اور حقیقی مصلح کی تعریف یہ ہے کہ وہ اجتہاد فکر سے کام لیتا ہے اور وقت اور موقع کے لحاظ سے جو مناسب ترین تدبیر ہوتی ہے اسے اختیار کرتا ہے اس کے بعد جو لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں وہ اندھے مقلد ہوتے ہیں۔ جس طریقہ کو اس نے وقت کے لحاظ سے اختیار کیا تھا' اسی طریقہ پر یہ اس وقت کے گزر جانے کے بعد بھی آنکھیں بند کر کے چلے جاتے ہیں. اور اتنا نہیں سوچتے کہ ماضی میں جو انسب تھا' حال میں وہی غیر انسب ہے۔ پچھلی صدی کے رہنماؤں کے بعد ان کے متبعین آج بھی اس روش پر اصرار کر رہے ہیں جس پر ان کے رہنما انہیں چھوڑ گئے تھے۔ حالانکہ وہ وقت جس کے لئے انہوں نے وہ روش اختیار کی تھی' گزر چکا ہے۔ اب اجتہاد و فکر سے کام لے کر نیا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

بدقسمتی سے ہم کو دونوں گروہوں میں ایک بھی مجتہد نظر نہیں آتا۔ انتہائی جرات کر کے پرانے جہاز والوں میں سے کوئی اگر اجتہاد کرتا ہے تو بس اتنا کہ اپنے اسی پرانے جہاز میں چند بجلی کے بلب لگا لیتا ہے کچھ نئے طرز کا فرنیچر مہیا کر لیتا ہے اور

ایک چھوٹی سی دخانی مشین خرید لاتا ہے جس کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ دور سے سیٹی بجا بجا کر لوگوں کو یہ دھوکا دیتی رہے کہ یہ پرانا جہاز اب نیا ہو گیا ہے اس کے مقابلے میں نئے جہاز والے اگرچہ دوسروں کے جہاز پر بیٹھے ہیں اور تیزی کے ساتھ سمت مخالف پر بہے چلے جا رہے ہیں' مگر دو چار پرانے بادبان بھی لے کر بیسویں صدی کے اس اپ ٹو ڈیٹ جہاز میں لگائے ہوئے ہیں تاکہ خود اپنے نفس کو اور مسلمانوں کو یہ دھوکہ دے سکیں کہ یہ جہاز بھی "اسلامی" جہاز ہے اور لندن کے راستہ سے حج کعبہ کو چلا جا رہا ہے۔

اندھی تقلید اور اس کے اجتہاد کی یہ جھوٹی نمائش تابکے .... ایک طوفان گزر گیا۔ اب دوسرا طوفان بہت قریب ہے۔ ہندوستان میں ایک دوسرے سیاسی انقلاب کی بنا پڑ رہی ہے۔ ممالک عالم میں ایک اور بڑے تصادم کے سامان ہو رہے ہیں جو بہت ممکن ہے کہ ہندوستان میں متوقع انقلاب کے بجائے ایک بالکل غیر متوقع اور ہزار درجہ زیادہ خطرناک انقلاب برپا کر دیں۔ یہ آنے والے انقلابات ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی بہ نسبت اپنی نوعیت اور اپنی شدت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہوں گے۔ اس وقت مسلمانوں کی ایمانی و اعتقادی اور اخلاقی و عملی حالت جیسی کچھ ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم نہیں سمجھتے کہ ان آنے والے طوفان کی ایک ٹکر بھی خیریت کے ساتھ سہہ سکیں گے۔ ان کا پرانا جہاز دور جدید کے کسی ہولناک طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ شاید ایک ہی تھپیڑے میں اس کے تختے بکھر جائیں اور اس کے بادبانوں کا تار تار الگ ہو جائے۔ رہا ان کا کرایے کا جہاز تو وہ پرانے جہاز سے بھی زیادہ خطرناک ہے جو لوگ اس پر سوار ہیں' ہمیں خوف ہے کہ طوفانی دور کا پہلا ہی تھپیڑا ان کو ملت اسلامیہ سے جدا کر کے شاید ہمیشہ کے لئے ضلالت کے قعر عمیق میں لے جائے گا لا قدر اللہ۔

پس اب یہی وقت ہے کہ مسلمان پرانے جہاز سے بھی نکلیں اور کرایے کے جہاز سے بھی اتریں اور خود اپنا ایک جہاز بنائیں۔ جس کے آلات اور کل پرزے جدید ترین ہوں مشین موجودہ دور کے تیز سے تیز جہاز کے برابر ہو مگر نقشہ ٹھیٹھ اسلامی جہاز کا ہو

اور اس کے انجینئر اور کپتان' اور دیدبان سب وہ ہوں جو منزل کعبہ کی راہ و رسم سے با خبر ہوں۔

استعارہ کی زبان چھوڑ کر اب ہم کچھ صاف صاف کہیں گے' سرسید احمد خاں (خدا ان کو معاف کرے) کی قیادت میں علی گڑھ سے جو تعلیمی تحریک اٹھی تھی اس کا وقتی مقصد یہ تھا کہ مسلمان اس نئے دور کی ضرورت کے لحاظ سے اپنی دنیا درست کرنے کے قابل ہو جائیں۔ تعلیم جدید سے بہرہ مند ہو کر اپنی معاشی اور سیاسی حیثیت کو تباہی سے بچالیں اور ملک کے جدید نظم و نسق سے استفادہ کرنے میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اس وقت اس سے زیادہ کچھ کرنے کا شاید موقع نہ تھا۔ اگرچہ اس تحریک میں فوائد کے ساتھ نقصانات اور خطرات بھی تھے۔ مگر اس وقت اتنی مہلت نہ تھی کہ غور و تفکر کے بعد کوئی ایسی محکم تعلیمی پالیسی متعین کی جاتی جو نقصانات سے پاک اور فوائد سے لبریز ہوتی۔ نہ اس وقت ایسے اسباب موجود تھے کہ اس نوع کی تعلیمی پالیسی کے مطابق عمل درآمد کیا جا سکتا۔ لہٰذا وقتی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر اسی طرز تعلیم کی طرف دھکیل دیا گیا جو ملک میں رائج ہو چکا تھا اور خطرات سے بچنے کے لئے کچھ تھوڑا سا عنصر اسلامی تعلیم و تربیت کا بھی رکھ دیا گیا۔ جس کو جدید تعلیم اور جدید تربیت کے ساتھ قطعاً" کوئی مناسبت نہ تھی۔

یہ صرف ایک وقتی تدبیر تھی جو ایک آفت ناگہانی کا مقابلہ کرنے کے لئے فوری طریق پر اختیار کر لی گئی تھی۔ اب وہ وقت گزر چکا ہے۔ جس میں فوری تدبیر کی ضرورت تھی۔ وہ فائدہ بھی حاصل ہو چکا ہے جو اس تدبیر سے حاصل کرنا مقصود تھا اور وہ خطرات بھی واقعہ کی صورت میں نمایاں ہو چکے ہیں جو اس وقت صرف موہوم تھے۔ اس تحریک نے ایک حد تک ہماری دنیا تو ضرور بنا دی مگر جتنی دنیا بنائی' اس سے زیادہ ہمارے دین کو بگاڑ دیا۔ اس نے ہم میں کالے فرنگی پیدا کئے۔ اس نے ہم میں "اینگلو محمڈن" اور "اینگلو انڈین" پیدا کئے اور وہ بھی ایسے جن کے نفسیات میں "محمڈن" اور " انڈین" کا تناسب بس برائے نام ہی ہے۔ اس نے ہماری قوم کے طبقہ علیا متوسط کو جو

دراصل قوم کے اعضائے رئیسہ ہیں۔ باطنی اور ظاہری دونوں حیثیتوں سے یورپ کی مادی تہذیب کے ہاتھ فروخت کر دیا' صرف اتنے معاوضے پر کہ چند عہدے' چند خطاب' چند کرسیاں' ایسے لوگوں کو مل جائیں جن کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اب دائماً ہماری یہی تعلیمی پالیسی رہنی چاہئے؟ اگر یہی ہماری دائمی پالیسی ہے تو اس کے لئے علی گڑھ کی کوئی ضرورت اب باقی نہیں رہی۔ ہندوستان کے ہر بڑے مقام پر ایک علی گڑھ موجود ہے' جہاں سے دھڑا دھڑ "اینگلو محمڈن" اور "اینگلو انڈین" نکل رہے ہیں' پھر یہ بس بھری فصل کاٹنے کے لئے ہم کو اپنا ایک مستقل مزرعہ رکھنے کی حاجت ہی کیا ہے؟ اور اگر درحقیقت اس حالت کو بدلنا مقصود ہے تو ذرا ایک حکیم کی نظر سے دیکھئے کہ خرابی کے اصل اسباب کیا ہیں اور اس کو دور کرنے کی صحیح صورت کیا ہے؟

جدید تعلیم و تہذیب کے مزاج اور اس کی طبیعت پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت کے بالکل منافی ہے۔ اگر باہم اس کو بجنسہ لے کر اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گے تو ان کو ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے کھو دیں گے۔ آپ ان کو وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلے کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتا ہے۔ آپ ان کو وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔ آپ ان کو تاریخ' سیاسیات' معاشیات' قانون اور تمام علوم عمرانیہ کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اپنے اصول سے لے کر فروع تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات اور اصول عمران سے یکسر مختلف ہے۔ آپ ان کی تربیت تمام تر ایسی تہذیب کے زیر اثر کرتے ہیں جو اپنی روح اور اپنے مقاصد اور مناہج کے اعتبار سے کلیتہً اسلامی تہذیب کی ضد واقع ہوئی ہے۔ اس کے بعد کس بناء پر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی نظر اسلامی نظر ہو گی؟ ان کی سیرت اسلامی سیرت ہو گی؟ ان کی زندگی اسلامی زندگی ہو گی؟ قدیم طرز پر قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم اس نئی تعلیم کے ساتھ بے جوڑ ہے۔ اس قسم کے عمل تعلیم سے کوئی خوشگوار

پھل حاصل نہ ہو گا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے فرنگی سٹیمر میں پرانے بادبان محض نمائش کے لئے لگا دیئے جائیں۔ مگر ان بادبانوں سے فرنگی اسٹیمر قیامت تک اسلامی اسٹیمر نہ بنے گا۔

اگر فی الواقع علی گڑھ یونیورسٹی کو مسلم یونیورسٹی بنانا ہے تو سب سے پہلے مغربی علوم و فنون کی تعلیم پر نظر ثانی کیجئے۔ ان علوم کو جوں کو توں لینا ہی درست نہیں ہے۔ طالب علموں کی لوح سادہ پر ان کا نقش اس طرح مرتسم ہوتا ہے کہ وہ ہر مغربی چیز پر ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔ تنقید کی صلاحیت ان میں پیدا ہی نہیں ہوتی اور اگر پیدا ہوتی بھی ہے تو فی ہزار ایک طالب علم میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سالہا سال کے گہرے مطالعہ سے جب کہ وہ زندگی کے آخری مرحلوں پر پہنچ جاتا ہے اور کسی عملی کام کے قابل نہیں رہتا۔ اس طرز تعلیم کو بدلنا چاہئے۔ تمام مغربی علوم کو طلبہ کے سامنے تنقید کے ساتھ پیش کیجئے اور یہ تنقید خالص اسلامی نظر سے ہو تاکہ وہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑتے جائیں اور صرف کار آمد حصوں کو لیتے جائیں۔

اس کے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجئے۔ بلکہ ان میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے۔ ان کی اصلی اسپرٹ دلوں میں اتاریئے اور ان کا صحیح تدبر دماغوں میں پیدا کیجئے۔ اس غرض کے لئے آپ کو بنا بنایا نصاب کہیں نہ ملے گا۔ ہر چیز از سر نو بنانی ہو گی۔ قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں' ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن اور سنت کے مغز کو پا چکے ہوں۔ اسلامی قانون کی تعلیم بھی ضروری ہے مگر یہاں بھی پرانی کتابیں کام نہ دیں گی۔ آپ کو معاشیات کی تعلیم میں اسلامی نظم معیشت کے اصول قانون کے مبادی' فلسفہ کی تعلیم میں حکمت اسلامیہ کے نظریات تاریخ کی تعلیم میں اسلامی فلسفہ تاریخ کے حقائق اور اسی طرح ہر علم و فن کی تعلیم میں اسلامی عنصر کو ایک غالب اور حکمران عنصر کی حیثیت سے داخل کرنا ہو گا۔

آپ کے تعلیمی اسٹاف میں جو ملاحدہ اور متفرنجین بھر گئے ہیں ان کو رخصت کیجئے۔ خوش قسمتی سے ہندوستان میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہو چکی ہے جو علوم جدیدہ میں بصیرت رکھنے کے ساتھ دل و دماغ اور نظر و فکر کے اعتبار سے پورے مسلمان ہیں۔ ان بکھرے ہوئے جواہر کو جمع کیجئے تاکہ وہ جدید آلات سے اسلامی نقشہ پر ایک اسٹیج بنائیں۔

آپ کہیں گے کہ انگریز ایسی تعمیر کی اجازت نہ دے گا یہ ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر آپ اس سے پوچھئے کہ تو پورے مسلمان اور پورے کمیونسٹ میں سے کس کو زیادہ پسند کرتا ہے؟ ان دونوں میں سے ایک کو بہر حال تجھے قبول کرنا ہو گا۔ ۱۹۲۰ء کو "اینگلو محمڈن" مسلمان اب زیادہ مدت تک نہیں پایا جا سکتا۔ اب اگر تو مسلمان کی نئی نسلوں کو پورا کمیونسٹ دیکھنا چاہتا ہے، تو اپنی قدیم اسلام دشمنی پر جما رہ، نتیجہ خود تیرے سامنے آجائے گا۔ اگر یہ منظور نہیں تو نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام ہندوستان میں کمیونزم کی بڑھتی ہوئی وبا کا مقابلہ صحیح النسب ساؤنڈ دن اور ریڈیو کے دیہاتی پروگرام سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس وبا کو صرف ایک طاقت روک سکتی ہے اور وہ اسلام کی طاقت ہے۔

(ترجمان القرآن۔ جمادی الاول ۵۵ھ۔ اگست ۱۹۳۶ء)

مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل

(یہ وہ نوٹ ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مجلس اصلاح نصاب و دینیات کے استفسارات کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ اگرچہ اس میں خطاب بظاہر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہے لیکن دراصل اس کے مخاطب مسلمانوں کے تمام تعلیمی ادارات ہیں۔ جس تعلیمی پالیسی کی توضیح اس نوٹ میں کی گئی ہے اسے اختیار کرنا مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہے۔ علی گڑھ ہو یا دیوبند' ندوہ یا جامعہ ملیہ' سب کا طریق کار اب زائد المیعاد ہو چکا ہے۔ اگر یہ اس پر نظرثانی نہیں کریں گے تو اپنی افادیت بالکل کھو دیں گے)

مسلم یونیورسٹی کورٹ اس امر پر تمام مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے ارادہ کے بنیادی مقصد یعنی طلبہ میں حقیقی اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی طرف توجہ کی اور اس کو روبہ عمل لانے کے لئے آپ کی مجلس کا تقرر کیا۔ اس سلسلہ میں جو کاغذات یونیورسٹی کے دفتر سے بھیجے گئے ہیں۔ ان کو میں نے پورے غور و خوض کے ساتھ دیکھا۔ جہاں تک دینیات اور علوم اسلامیہ کے موجود طریق تعلیم کا تعلق ہے۔ اس کے ناقابل اطمینان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جو نصاب اس وقت پڑھایا جا رہا ہے وہ یقیناً" ناقص ہے۔ لیکن مجلس کے معزز ارکان کی جانب سے جو سوالات مرتب کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس کے پیش نظر صرف ترمیم نصاب کا سوال ہے اور غالباً" یہ سمجھا جا رہا ہے کہ چند کتابوں کو خارج کرکے چند دوسری کتابیں رکھ دینے سے طلبہ میں "اسلامی سپرٹ" پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر میرا قیاس صحیح ہے تو میں کہوں گا کہ یہ اصلی صورت حال کا بہت ہی ناکمل اندازہ ہے۔ دراصل ہم کو اس سے زیادہ گہرائی میں جا کر یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن' حدیث' فقہ اور عقائد کی اس تعلیم کے باوجود جو اس وقت دی جا رہی ہے' طلبہ میں حقیقی اسلامی اسپرٹ

پیدا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اگر محض موجودہ نصاب دینیات کا نقص ہی اس کی وجہ ہے تو اس نقص کو دور کرنا بلاشبہ اس خرابی کو رفع کر دینے کے لیے کافی ہو جائے گا لیکن اگر اس کے اسباب زیادہ وسیع ہیں۔ اگر آپ کی پوری تعلیمی پالیسی میں کوئی اساسی خرابی موجود ہے تو اصلاح حال کے لیے محض نصاب دینیات کی ترمیم ہرگز کافی نہ ہوگی۔ اس کے لیے آپ کو اصلاحات کا دائرہ زیادہ وسیع کرنا ہوگا' خواہ وہ کتنا ہی محنت طلب اور مشکلات سے لبریز ہو۔ میں نے اس مسئلہ پر اسی نقطۂ نظر سے غور کیا ہے اور جن نتائج پر میں پہنچا ہوں۔ انہیں امکانی اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں

میرا یہ بیان تین حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصہ میں یونیورسٹی کی موجودہ تعلیمی پالیسی پر تنقیدی نظر ڈال کر اس کی اساسی خرابیوں کو واضح کیا جائے گا' اور یہ بتایا جائے گا کہ مسلمانوں کے حقیقی مفاد کے لیے اب ہماری تعلیمی پالیسی کیا ہونی چاہیے' دوسرے حصہ میں اصلاحی تجاویز پیش کی جائیں گی' اور تیسرے حصہ میں ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر سے بحث کی جائے گی۔

(۱)

اس وقت مسلم یونیورسٹی میں جو طریق تعلیم رائج ہے وہ تعلیم جدید اور اسلامی تعلیم کی ایک ایسی آمیزش پر مشتمل ہے۔ جس میں کوئی امتزاج اور کوئی ہم آہنگی نہیں۔ دو بالکل متضاد اور بے جوڑ تعلیمی عنصروں کو جوں کا توں لے کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ان میں یہ صلاحیت پیدا نہیں کی گئی کہ ایک مرکب علمی قوت بن کر کسی ایک کلچر کی خدمت کر سکیں۔ یک جائی و اجتماع کے باوجود یہ دونوں عنصر نہ صرف ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں' بلکہ ایک دوسرے کی مزاحمت کر کے طلبہ کے ذہن کو دو مخالف سمتوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے قطع نظر' خالص تعلیمی نقطہ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ تعلیم میں اس قسم کے متبائن اور متزاحم عناصر کی آمیزش اصلاً" غلط ہے اور اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

اسلامی نقطہ نظر سے یہ آمیزش اور بھی زیادہ قباحت کا سبب بن گئی ہے کیونکہ اول تو خود آمیزش ہی درست نہیں' پھر اس پر مزید خرابی یہ ہے کہ یہ آمیزش بھی مساویانہ نہیں ہے۔ اس میں مغربی عنصر بہت طاقتور ہے اور اسلامی عنصر اس کے مقابلہ میں نہایت کمزور ہے۔ مغربی عنصر کو پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہے کہ وہ ایک عصری عنصر ہے۔ جس کی پشت پر رفتار زمانہ کی قوت اور عالمگیر حکمران تمدن کی طاقت ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری یونیورسٹی کی تعلیم میں ٹھیک اسی شان اور اسی طاقت کے ساتھ شریک کیا گیا ہے' جس کے ساتھ وہ ان یونیورسٹیوں میں ہے اور ہونا چاہئے جو مغربی کلچر کی خدمت کے لئے قائم کی گئی ہیں۔ یہاں مغربی علوم و فنون کی تعلیم اس طور پر دی جاتی ہے کہ ان کے تمام اصول اور نظریات مسلمان لڑکوں کے صاف اور سادہ لوح دل پر ایمان بن کر ثبت ہو جاتے ہیں اور ان کی ذہنیت کلیتہ" مغربی سانچہ میں ڈھل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ مغربی نظر سے دیکھنے اور مغربی دماغ سے سوچنے لگتے ہیں اور یہ اعتقاد ان پر مسلط ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی چیز معقول اور با وقعت ہے تو وہی ہے جو مغربی حکمت کے اصول و مبادی سے مطابقت رکھتی ہو۔ پھر ان پر تاثرات کو مزید تقویت اس تربیت سے پہنچتی ہے جو ہماری یونیورسٹی میں عملاً" دی جا رہی ہے۔ لباس' معاشرت' آداب و اطوار' رفتار و گفتار' کھیل کود' غرض کون سی چیز ہے جس پر مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی رجحانات کا غلبہ نہیں ہے۔ یونیورسٹی کا ماحول اگر پورا نہیں تو ۹۵ فیصدی یقیناً" مغربی ہے اور ایسے ماحول کے جو اثرات ہو سکتے ہیں اور ہوا کرتے ہیں ان کو ہر صاحب نظر خود سمجھ سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی عنصر نہایت کمزور ہے۔ اول تو وہ اپنی تمدنی و سیاسی طاقت کھو کر ویسے ہی کمزور ہو چکا ہے۔ پھر ہماری یونیورسٹی میں اس کی تعلیم جن کتابوں کے ذریعہ سے دی جاتی ہے وہ موجودہ زمانہ سے صدیوں پہلے لکھی گئی تھیں۔ ان کی زبان اور ترتیب و تمدن ایسی نہیں جو عصری دماغوں کو اپیل کر سکے۔ ان میں اسلام کے ابدی اصولوں کو جن حالات اور جن عملی مسائل پر منطبق کیا گیا ہے۔ ان میں اکثر اب در پیش نہیں ہیں اور جو مسائل اب در پیش نہیں

ہیں ان پر ان اصولوں کو منطبق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مزید برآں اس تعلیم کی پشت پر کوئی تربیت' کوئی زندہ ماحول' کوئی عملی برتاؤ اور چلن بھی نہیں۔ اس طرح مغربی تعلیم کے ساتھ اسلامی تعلیم کی آمیزش اور بھی زیادہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ ایسی نامساوی آمیزش کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کے دل و دماغ پر مغربی عنصر پوری طرح غالب آجائے اور اسلامی عنصر محض ایک سامان مضحکہ بننے کے لئے رہ جائے یا زیادہ سے زیادہ اس لئے کہ زمانہ ماضی کے آثار باقیہ کی طرح اس کا احترام کیا جائے۔

میں اپنی صاف گوئی پر معافی کا خواست گار ہوں۔ مگر جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کو بے کم و کاست بیان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میری نظر میں مسلم یونیورسٹی کی دینی و دنیاوی تعلیم بحیثیت مجموعی بالکل ایسی ہے کہ آپ ایک شخص کو از سر تو سرتا پا غیر مسلم بناتے ہیں۔ پھر اس کی بغل میں دینیات کی چند کتابوں کا ایک بستہ دے دیتے ہیں تاکہ آپ پر اسے غیر مسلم بنانے کا الزام عائد نہ ہو اور اگر وہ اس بستہ کو اٹھا کر پھینک دے جس کی وجہ دراصل آپ ہی کی تعلیم ہو گی' تو وہ خود ہی اس فعل کے لئے قابل الزام قرار پائے۔ اس طرز تعلیم سے اگر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ یہ مسلمان پیدا کرے گا تو یوں سمجھنا چاہئے کہ آپ معجزے اور خرق عادت کے متوقع ہیں کیونکہ آپ نے جو اسباب مہیا کئے ہیں ان سے قانون طبعی کے تحت تو یہ نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتا۔ فی صدی ایک یا دو چار طالب علموں کا مسلمان (کامل اعتقادی و عملی مسلمان) رہ جانا کوئی حجت نہیں۔ یہ آپ کی یونیورسٹی کے فیضان تربیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس امر کا ثبوت ہے کہ جو اس فیضان سے اپنے ایمان و اسلام کو بچا لے گا۔ وہ دراصل فطرت ابراہیمی پر پیدا ہوا تھا۔ ایسے مستثنیات جس طرح علی گڑھ کے فارغ التحصیل اصحاب پائے جاتے ہیں اس طرح ہندوستان کی سرکاری یونیورسٹیوں بلکہ یورپ کی یونیورسٹیوں کے مستخرجین میں بھی مل سکتے ہیں جن کے نصاب میں سرے سے کوئی اسلامی عنصر ہے ہی نہیں۔

اب اگر آپ ان حالات اور اس طرز تعلیم کو بعینہ باقی رکھیں اور محض دینیات

کے موجودہ نصاب کو بدل کر زیادہ طاقت ور نصاب شریک کر دیں تو اس کا حاصل صرف یہ ہو گا کہ فرنگیت اور اسلامیت کی کش مکش زیادہ شدید ہو جائے گی۔ ہر طالب علم کا دماغ ایک رزم گاہ بن جائے گا۔ جس میں یہ دو طاقتیں پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گی اور بالآخر آپ کے طلبہ تین مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے۔

ایک وہ جن پر فرنگیت غالب رہے گی' عام اس سے کہ وہ انگریزیت کے رنگ میں ہو' یا ہندی وطن پرستی کے رنگ میں یا ملحدانہ اشتراکیت کے رنگ میں۔

دوسرے وہ جن پر اسلامیت غالب رہے گی۔ خواہ اس کا رنگ گہرا ہو یا فرنگیت کے اثر سے پھیکا پڑ جائے۔

تیسرے وہ جو نہ پورے مسلمان ہوں گے نہ پورے فرنگی۔ ظاہر ہے کہ تعلیم کا یہ نتیجہ بھی کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں' نہ خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے اس اجتماع نقیضین کو مفید کہا جا سکتا ہے اور نہ قومی نقطۂ نظر سے ایسی یونیورسٹی اپنے وجود کو حق بجانب ثابت کر سکتی ہے۔ جس کے نتائج کا ۲/۳ حصہ قومی مفاد کے خلاف اور قومی تہذیب کے لئے نقصان کامل کا مترادف ہو۔ کم از کم مسلمانوں کی غریب قوم کے لئے تو یہ سودا بہت ہی مہنگا ہے کہ وہ لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک ایسی ٹکسال جاری رکھے جس میں سے ۳۳ فیصدی سکے تو مستقل طور پر کھوٹے نکلتے رہیں اور ۳۳ فیصدی ہمارے خرچ پر تیار ہو کر غیروں کی گود میں ڈال دیئے جائیں بلکہ بالآخر ہمارے خلاف استعمال ہوں۔

مذکورہ بالا بیان سے دو باتیں اچھی طرح واضح ہو جاتی ہیں:

اولاً" تعلیم میں متضاد عناصر کی آمیزش اصولی حیثیت سے غلط ہے' ثانیاً" اسلامی مفاد کے لئے بھی ایسی آمیزش کسی طرح مفید نہیں خواہ وہ اس قسم کی غیر مساوی آمیزش ہو' جیسی اب تک رہی ہے یا مساوی کر دی جائے جیسا کہ اب کرنے کا خیال کیا جا رہا ہے۔ ان امور کی توضیح کے بعد یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری رائے میں یونیورسٹی کی تعلیمی پالیسی اب کیا ہونی چاہئے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر یونیورسٹی کسی کلچر کی خادم ہوتی ہے۔ ایسی مجرد تعلیم جو ہر رنگ اور ہر صورت سے خالی ہو' نہ آج تک دنیا کی کسی درس گاہ میں دی گئی ہے نہ آج دی جا رہی ہے۔ ہر درس گاہ کی تعلیم ایک خاص رنگ اور خاص صورت میں ہوتی ہے اور اس رنگ و صورت کا انتخاب پورے غور و فکر کے بعد اس مخصوص کلچر کی مناسبت سے کیا جاتا ہے' جس کی خدمت وہ کرنا چاہتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کی یونیورسٹی کس کلچر کی خدمت کے لئے قائم کی گئی ہے؟ اگر وہ مغربی کلچر ہے تو اس کو مسلم یونیورسٹی نہ کہئے نہ اس میں دینیات کا ایک نصاب رکھ کر خواہ مخواہ طالب علموں کو ذہنی کش مکش میں مبتلا کیجئے' اور اگر وہ اسلامی کلچر ہے تو آپ کو اپنی یونیورسٹی کی پوری ساخت بدلنی پڑے گی اور اس کی ہیئت ترکیبی کو ایسے طرز پر ڈھالنا ہو گا کہ وہ بحیثیت مجموعی اس کلچر کے مزاج اور اس کی اسپرٹ کے مناسب ہو اور نہ صرف اس کا تحفظ کرے بلکہ اس کو آگے بڑھانے کے لئے ایک اچھی طاقت بن جائے۔

جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں' موجودہ حالت میں تو آپ کی یونیورسٹی اسلامی کلچر کی نہیں بلکہ مغربی کلچر کی خادم بنی ہوئی ہے۔ اس حالت میں اگر صرف اتنا تغیر کیا جائے کہ دینیات کے موجودہ نصاب کو بدل کر زیادہ طاقت ور کر دیا جائے اور تعلیم و تربیت کے باقی تمام شعبوں میں پوری مغربیت برقرار رہے تو اس سے بھی یہ درس گاہ اسلامی کلچر کی خادم نہیں بن سکتی۔ اسلام کی حقیقت پر غور کرنے سے یہ بات خود بخود آپ پر منکشف ہو جائے گی کہ دنیوی تعلیم و تربیت اور دینی تعلیم کو الگ کرنا' اور ایک دوسرے سے مختلف رکھ کر ان دونوں کو یکجا جمع کر دینا بالکل لا حاصل ہے۔ اسلام مسیحیت کی طرح کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جن کا دین دنیا سے کوئی الگ چیز ہو۔ وہ دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ کر صرف اعتقادات اور اخلاقیات کی حد تک اپنے دائرے کو محدود نہیں رکھتا۔ اس لئے مسیحی دینیات کی طرح اسلام کے دینیات کو دنیویات سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کا اصل مقصد انسان کو دنیا میں رہنے کا اور دنیا کے معاملات انجام دینے کے لئے ایک ایسے طریقہ پر تیار کرنا ہے جو اس زندگی سے لے کر

آخرت کی زندگی تک سلامتی، عزت اور برتری کا طریقہ ہے۔ اس غرض کے لئے وہ اس کی نظر و فکر کو درست کرتا ہے، اس کے اخلاق کو سنوارتا ہے، اس کی سیرت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے، اس کے لئے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے اور اس کی اجتماعی زندگی کا ایک خاص نظام وضع کرکے دیتا ہے۔ افراد کی ذہنی و عملی تربیت سوسائٹی کی تشکیل و تنظیم اور زندگی کے تمام شعبوں کی تربیت و تعدیل کے باب میں اس کے اصول و ضوابط سب سے الگ ہیں۔ ان ہی کی بدولت اسلامی تہذیب ایک جداگانہ تہذیب کی شکل اختیار کرتی ہے اور مسلمان قوم کا بحیثیت ایک قوم کے زندہ رہنا انہی کی پابندی پر منحصر ہے۔ پس جب حال یہ ہے تو اسلامی دینیات کی اصطلاح ہی بے معنی ہو جاتی ہے اگر زندگی اور اس کے معاملات سے اس کا ربط باقی نہ رہے۔ اسلامی کلچر کے لئے وہ عالم دین بیکار ہے جو اسلام کے عقائد اور اصول سے واقف ہے۔ مگر ان کو لے کر علم و عمل کے میدان میں بڑھنا اور زندگی کے دائم التغیر احوال و مسائل میں ان کو برتنا نہیں جانتا۔ اسی طرح اس کلچر کے لئے وہ عالم دنیا بھی بے کار ہے جو دل میں تو اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے مگر دماغ سے غیر اسلامی طریق پر سوچتا ہے۔ معاملات کو غیر اسلامی نظر سے دیکھتا ہے اور زندگی کو غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے زوال اور اسلامی نظام تمدن کی ابتری کا اصلی سبب یہی ہے کہ ایک مدت سے ہماری قوم میں صرف انہی دو قسموں کے عالم پیدا ہو رہے ہیں، اور دنیوی علم و عمل سے علم دین کا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلامی کلچر پھر سے جوان ہو جائے اور زمانہ کے پیچھے چلنے کے بجائے آگے چلنے لگے تو اس ٹوٹے ہوئے ربط کو پھر قائم کیجئے مگر اس کو قائم کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ دینیات کے نصاب کو جسم تعلیمی کی گردن کا قلادہ یا کمر کا پشتارہ بنا دیا جائے۔ نہیں اس کو پورے نظام تعلیم میں اس طرح اتار دیجئے کہ وہ اس کا دوران خون، اس کی روح رواں، اس کی بینائی و سماعت، اس کا احساس و ادراک، اس کا شعور و فکر بن جائے اور مغربی علوم و فنون کے تمام صالح اجزاء کو اپنے اندر جذب کرکے اپنی تہذیب کا جز بناتا

چلا جائے۔ اس طرح آپ مسلمان فلسفی، مسلمان سائنسدان، مسلمان ماہرین معاشیات، مسلمان مقنن، مسلمان مدبرین، غرض تمام علوم و فنون کے مسلمان ماہر پیدا کر سکیں گے جو زندگی کے مسائل کو اسلامی نقطہ نظر سے حل کریں گے، تہذیب حاضر کے ترقی یافتہ اسباب و وسائل سے تہذیب اسلامی کی خدمت لیں گے اور اسلام کے افکار و نظریات اور قوانین حیات کو روح عصری کے لحاظ سے از سر نو مرتب کریں گے۔ یہاں تک کہ اسلام از سر نو علم و عمل کے میدان میں اسی امامت و رہنمائی کے مقام پر آجائے گا جس کے لئے وہ درحقیقت دنیا میں پیدا کیا گیا ہے۔

یہ ہے وہ تخیل جو مسلمانوں کی جدید تعلیمی پالیسی کا اساسی تخیل ہونا چاہیے۔ زمانہ اس مقام سے بہت آگے نکل چکا ہے، جہاں سرسید ہم کو چھوڑ گئے تھے اگر اب زیادہ عرصہ تک ہم اس پر قائم رہے تو بحیثیت ایک مسلم قوم کے ہمارا ترقی کرنا تو درکنار، زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔

(۲)

اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ اوپر جس تعلیمی پالیسی کا ہیولیٰ میں نے پیش کیا ہے اس کو صورت کا لباس کس طرح پہنایا جا سکتا ہے۔

۱۔ مسلم یونیورسٹی کی حدود میں "فرنگیت" کا کلی استیصال کر دینا نہایت ضروری ہے۔

اگر ہم اپنی قومی تہذیب کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا نہیں چاہتے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی نئی نسلوں میں "فرنگیت" کے ان روز افزوں رجحانات کا سدباب کریں۔ یہ رجحانات دراصل غلامانہ ذہنیت اور چھپی ہوئی دنائت (Inferiority Complex) کی پیداوار ہیں۔ پھر جب ان کا عملی ظہور، لباس، معاشرت، آداب و اطوار اور بحیثیت مجموعی پورے اجتماعی ماحول میں ہوتا ہے تو یہ ظاہر اور باطن دونوں طرف سے نفس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور اس میں شرف قومی کا رمق برابر احساس بھی نہیں چھوڑتے۔ ایسے حالات

میں اسلامی تہذیب کا زندہ رہنا قطعی ناممکن ہے۔ کوئی تہذیب محض اپنے اصولوں اور اپنے اساسی تصورات کے مجرد ذہنی وجود سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ عملی برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے اور اسی سے نشوونما پاتی ہے۔ اگر عملی برتاؤ مفقود ہو جائے تو تہذیب اپنی طبیعی موت مر جائے گی اور اس کا ذہنی وجود بھی برقرار نہ رہ سکے گا۔ پس سب سے مقدم اصطلاح یہ ہے کہ یونیورسٹی میں ایک زندہ اسلامی ماحول پیدا کیا جائے۔ آپ کی تربیت ایسی ہونی چاہئے جو مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اپنی قومی تہذیب پر فخر کرنا سکھائے ان میں اپنی قومی خصوصیات کا احترام بلکہ عشق پیدا کرے' ان میں اسلامی اخلاق اور سیرت کی روح پھونک دے' ان کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنے علم اور اپنی تربیت یافتہ ذہنی صلاحیتوں سے اپنے قومی تمدن کو شائستگی کے بلند مدارج کی طرف لے چلیں۔

۲۔ اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کا انحصار بڑی حد تک معلمین کے علم و عمل پر ہے۔

جو معلم خود اس روح سے خالی ہیں' بلکہ خیال اور عمل دونوں میں اس کے مخالف ہیں ان کے زیر اثر رہ کر متعلمین میں اسلامی اسپرٹ کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ آپ محض عمارت کا نقشہ بنا سکتے ہیں مگر اصلی معمار آپ نہیں۔ آپ کے تعلیمی سٹاف کے ارکان ان "فرنگی" معماروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ اسلامی طرز تعمیر پر عمارت بنائیں گے' کریلے کی بیل سے خوشہ انگور کی امید رکھنا ہے۔ محض دینیات کے "لئے چند مولوی" رکھ لینا ایسی صورت میں بالکل فضول ہو گا جبکہ دوسرے تمام یا اکثر علوم کے پڑھانے والے غیر مسلم یا ایسے مسلمان ہوں جن کے خیالات غیر اسلامی ہوں' کیونکہ وہ زندگی اور اس کے مسائل اور معاملات کے متعلق طلبہ کے نظریات اور تصورات کو اسلام کے مرکز سے پھیر دیں گے اور اس زہر کا تریاق محض دینیات کے کورس سے فراہم نہ ہو سکے گا۔ لہذا خواہ کوئی فن ہو' فلسفہ ہو یا سائنس' معاشیات ہو یا قانون تاریخ ہو یا کوئی اور علم' مسلم یونیورسٹی میں اس کی پروفیسری کے لئے کسی شخص کا محض ماہر فن ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پورا اور پکا مسلمان ہو۔ اگر مخصوص حالات میں کسی غیر مسلم ماہر فن کی خدمات حاصل کرنی پڑیں تو کوئی مضائقہ نہیں'

لیکن عام قاعدہ یہی ہونا چاہئے کہ ہماری یونیورسٹی کے پروفیسر وہ لوگ ہوں جو اپنے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ یونیورسٹی کے اساسی مقصد یعنی اسلامی کلچر کے لئے خیالات اور اعمال دونوں لحاظ سے مفید ہوں۔

۳۔ یونیورسٹی کی تعلیم میں عربی زبان کو بطور ایک لازمی زبان کے شریک کیا جائے۔

یہ ہماری کلچر کی زبان ہے۔ اسلام کے ماخذ اصلیہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن و سنت تک بلاواسطہ دسترس حاصل نہ کرے گا اسلام کی روح کو نہ پا سکے گا' نہ اسلام میں بصیرت حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمیشہ مترجموں اور شارحوں کا محتاج رہے گا اور اس طرح آفتاب کی روشنی اس کو براہ راست آفتاب سے کبھی نہ مل سکے گی بلکہ مختلف قسم کے رنگین آئینوں کے واسطے ہی سے ملتی رہے گی۔ آج ہمارے جدید تعلیم یافتہ حضرات اسلامی مسائل میں ایسی ایسی غلطیاں کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی ابجد تک سے ناواقف ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن اور سنت سے استفادہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے۔ آگے چل کر پراونشل اٹانومی کے دور میں جب ہندوستان کی مجالس مقننہ کو قانون سازی کے زیادہ وسیع اختیارات حاصل ہوں گے اور سوشل ریفارم کے لئے نئے نئے قوانین بنائے جانے لگیں گے اس وقت اگر مسلمانوں کی نمائندگی ایسے لوگ کرتے رہے جو اسلام سے ناواقف ہوں اور اخلاق و معاشرت اور قانون کے مغربی تصورات پر اعتقاد رکھتے ہوں' تو جدید قانون سازی سے مسلمانوں میں سوشل ریفارم ہونے کے بجائے الٹی سوشل ڈیفارم ہو گی اور مسلمانوں کا اجتماعی نظام اپنے اصولوں سے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ پس عربی زبان کے مسئلہ کو محض ایک زبان کا مسئلہ نہ سمجھئے بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ آپ کی یونیورسٹی کے اساسی مقاصد سے تعلق رکھتا ہے اور جو چیز اساسیت (Fundamentals) سے تعلق رکھتی ہو اس کے لئے سہولت کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ہر حال میں اس کی جگہ نکالنی پڑتی ہے۔

۴۔ ہائی اسکول کی تعلیم میں طلبہ کو حسب ذیل مضامین کی ابتدائی معلومات حاصل

ہونی چاہیں۔

(الف) عقائد: اس مضمون میں عقائد کی خشک کلامی تفصیلات نہ ہونی چاہئیں بلکہ ایمانیات کو ذہن نشین کرنے کے لئے نہایت لطیف انداز بیان اختیار کرنا چاہئے جو فطری وجدان اور عقل کو اپیل کرنے والا ہو۔ طلبہ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کے ایمانیات دراصل کائنات کی بنیادی صداقتیں ہیں اور یہ صداقتیں ہماری زندگی سے ایک گہرا ربط رکھتی ہیں۔

(ب) اسلامی اخلاق: اس مضمون میں مجرد اخلاقی تصورات نہ پیش کئے جائیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے ایسے واقعات لے کر جمع کئے جائیں جن سے طلبہ کو معلوم ہو کہ ایک مسلمان کے کیریکٹر کی خصوصیات کیا ہیں اور مسلمان کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟

(ج) احکام فقہ: اس مضمون میں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور شخصی کردار کے متعلق اسلامی قانون کے ابتدائی اور ضروری احکام بیان کئے جائیں جن سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے۔ مگر اس قسم کے جزئیات اس میں نہ ہونے چاہیں جیسے ہماری فقہ کی پرانی کتابوں میں آتے ہیں کہ مثلاً "کنویں میں چوہا گر جائے تو کتنے ڈول نکالے جائیں۔ ان چیزوں کی بجائے عبادات اور احکام کی معنویت ان کی روح اور ان کے مصالح طلبہ کے ذہن نشین کرنے چاہیں۔ ان کو یہ بتانا چاہئے کہ اسلام تمہارے لئے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کیا پروگرام بناتا ہے اور یہ پروگرام کس طرح ایک صالح سوسائٹی کی تخلیق کرتا ہے۔

(د) اسلامی تاریخ: یہ مضمون صرف سیرت رسولؐ اور دور صحابہؓ تک محدود رہے۔ اس کے پڑھانے کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ طلباء اپنے مذہب اور اپنی قومیت کی اصل سے واقف ہو جائیں اور ان کے دلوں میں اسلامی حمیت کا صحیح احساس پیدا ہو۔

(ه) عربیت: عربی زبان کا محض ابتدائی علم جو ادب سے ایک حد تک مناسبت پیدا کر دے۔

(و) قرآن: صرف اتنی استعداد کہ لڑکے کتاب اللہ کو روانی کے ساتھ پڑھ سکیں۔ سادہ آیتوں کو کسی حد تک سمجھ سکیں اور چند سورتیں بھی ان کو یاد ہوں۔

۵- کالج کی تعلیم:

کالج کی تعلیم میں ایک نصاب عام ہونا چاہئے جو تمام طلبہ کو پڑھایا جائے اس نصاب میں حسب ذیل مضامین ہونے چاہئیں۔

(الف) عربیت: انٹرمیڈیٹ میں عربی ادب کی متوسط تعلیم ہو۔ بی اے میں پہنچ کر اس مضمون کو تعلیم قرآن کے ساتھ ضم کر دیا جائے۔

(ب) قرآن: (۱) انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کو فہم قرآن کے لئے مستعد کیا جائے۔ اس مرحلہ میں صرف چند مقدمات ذہن نشین کرا دیئے چاہئیں۔ قرآن کا محفوظ اور تاریخی حیثیت سے معتبر ترین کتاب ہونا۔ اس کا وحی الٰہی ہونا۔ تمام مذاہب کی اساسی کتابوں کے مقابلہ میں اس کی فضیلت۔ اس کی بے نظیر انقلاب انگیز تعلیم اس کے اثرات نہ صرف عرب پر بلکہ تمام دنیا کے افکار اور قوانین حیات پر، اس کا انداز بیان اور طرز استدلال، اس کا حقیقی مدعا (Thesis)

(۲) بی۔ اے میں اصل قرآن کی تعلیم دی جائے۔ یہاں طرز تعلیم یہ ہونا چاہئے کہ طلبہ خود قرآن کو پڑھ کے سمجھنے کی کوشش کریں اور استاد ان کی مشکلات کو حل اور ان کے شبہات کو رفع کرتا جائے۔ اگر مفصل تفسیر اور جزئی بحثوں سے اجتناب ہو اور صرف مطالب کو توضیح پر اکتفا ہو تو دو سال میں باسانی پورا قرآن پڑھایا جا سکتا ہے۔

(ج) تعلیمات اسلامی: اس مضمون میں طلبہ کو پورے نظام اسلام سے روشناس کرا دیا جائے۔ اسلام کی بنیاد کن اساسی تصورات پر قائم ہے۔ ان تصورات کی بنا

پر وہ اخلاق اور سیرت کی تشکیل کس طرح کرتا ہے۔ پھر اس سوسائٹی کی زندگی کو معاشرت، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں کن اصولوں پر منظم کرتا ہے۔ اس کے اجتماعی نظام میں فرد اور جماعت کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کس ڈھنگ پر کی گئی ہے۔ حدود اللہ کیا ہیں ان حدود کے اندر مسلمان کو کس حد تک فکر و عمل کی آزادی ہے اور ان حدود کے باہر قدم نکالنے سے نظام اسلامی پر کیا اثرات مرتبت ہوتے ہیں' یہ تمام امور جامعیت کے ساتھ نصاب میں لائے جائیں اور اس کو چار سال کے مدارج تعلیمی پر ایک مناسبت کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے۔

۶۔ نصاب عام کے بعد علوم اسلامیہ کو تقسیم کر کے مختلف علوم و فنون کی اختصاصی تعلیم میں پھیلا دیجئے اور ہر فن میں اسی فن کی مناسبت سے اسلام کی تعلیمات کو پیوست کیجئے۔

مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں' بلکہ ایجاباً" میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے دوست ہیں۔ دشمنی دراصل علم اور اسلام میں نہیں بلکہ مغربیت اور اسلام میں ہے۔ اکثر علوم میں اہل مغرب اپنے چند مخصوص اساسی تصورات' بنیادی مفروضات' (Hypothesis) نقطہائے آغاز (Starting Point) اور زاویہ ہائے نظر رکھتے ہیں جو بجائے خود ثابت شدہ حقائق نہیں ہیں بلکہ محض ان کے وجدانیات ہیں۔ وہ حقائق علمیہ کو اپنے ان وجدانیات کے سانچہ میں ڈھالتے ہیں اور اس سانچہ کی مناسبت سے ان کو مرتب کر کے ایک مخصوص نظام بنا لیتے ہیں۔ اسلام کی دشمنی دراصل انہی وجدانیات سے ہے وہ حقائق کا دشمن نہیں بلکہ اس وجدانی سانچے کا دشمن ہے جس میں ان حقائق کو ڈھالا اور مرتب کیا جاتا ہے وہ خود اپنا ایک مرکزی تصور' ایک زاویہ نظر' ایک زاویہ آغاز فکر' ایک وجدانی سانچہ رکھتا ہے جو اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے مغربی سانچوں کی عین ضد واقع ہوا ہے۔ اب یہ

سمجھ لیجئے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ضلالت کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ مغربی علوم و فنون سے حقائق لیتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ آپ مغرب ہی سے اس کا وجدانی سانچہ بھی لے لیتے ہیں۔ فلسفہ، سائنس، تاریخ، قانون، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علمی شعبوں میں آپ خود ہی تو اپنے نوجوان اور خالی الذہن طلبہ کے دماغوں میں مغرب کے اساسی تصورات بٹھاتے ہیں ان کی نظر کا فوکس مغربی زاویہ نظر کے مطابق جماتے ہیں، مغربی مفروضات کو مسلمات بناتے ہیں۔ استدلال و استشہاد اور تحقیق و تفحص کے لئے صرف وہی ایک نقطہ آغاز ان کو دیتے ہیں جو اہل مغرب نے اختیار کیا ہے اور تمام علمی حقائق اور مسائل کو اسی طرز پر مرتب کر کے ان کے ذہن میں اتار دیتے ہیں، جس طرز پر اہل مغرب نے ان کو مرتب کیا ہے۔ اس کے بعد آپ چاہتے ہیں کہ تنہا دینیات کا شعبہ انہیں مسلمان بنا دے یہ کس طرح ممکن ہے؟ وہ شعبہ دینیات کیا کر سکتا ہے جس میں مجرد تصورات ہوں، حقائق علمیہ اور مسائل حیات پر ان تصورات کا انطباق نہ ہو بلکہ طلبہ کے ذہن میں جملہ معلومات کی ترتیب ان تصورات کے بالکل برعکس ہو۔ یہی گمراہی کا سرچشمہ ہے۔ اگر آپ گمراہی کا سدباب کرنا چاہتے ہیں تو اس سرچشمے کے مصدر پر پہنچ کر اس کا رخ پھیر دیجئے جو قرآن نے آپ کو دیئے ہیں۔ جب اس وجدانی سانچہ میں معلومات مرتب ہوں گی اور اس نظر سے کائنات اور زندگی کے مسائل کو حل کیا جائے گا تب آپ کے طلبہ "مسلم طلبہ" بنیں گے اور آپ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے ان میں "اسلامی اسپرٹ" پیدا کی۔ ورنہ ایک شعبہ میں اسلام اور باقی تمام شعبوں میں غیر اسلام رکھ دینے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہو گا کہ آپ کے فارغ التحصیل طلبہ فلسفہ میں غیر مسلم، سائنس میں غیر مسلم، قانون میں غیر مسلم، سیاست میں غیر مسلم، فلسفہ تاریخ میں غیر مسلم، معاشیات میں غیر مسلم ہوں گے اور ان کا اسلام محض چند اعتقادات اور چند مذہبی مراسم کی حد تک محدود رہ جائے گا۔

۷۔ بی۔ ٹی۔ ایچ اور ایم۔ ٹی۔ ایچ کے امتحانات کو بند کر دیجئے۔ نہ ان کی کوئی ضرورت ہے، نہ فائدہ۔ جہاں تک علوم اسلامیہ کے مخصوص شعبوں کا تعلق ہے ان میں سے ہر

ایک شعبے کو اسی کے مماثل علم کے مغربی شعبہ کے انتہائی کورس میں داخل کر دیجئے۔ مثلاً" فلسفہ میں حکمت اسلامیہ اور اسلامی فلسفہ کی تاریخ اور فلسفیانہ افکار کے ارتقاء میں مسلمانوں کا حصہ' تاریخ میں تاریخ اسلام اور اسلامی فلسفہ تاریخ' قانون میں اسلامی قانون کے اصول اور فقہ کے وہ ابواب جو معاملات سے متعلق ہیں۔ معاشیات میں اسلامی معاشیات کے اصول اور فقہ کے وہ حصے جو معاشی مسائل سے متعلق ہیں۔ سیاسیات میں اسلام کے نظریات سیاسی اور اسلامی سیاسیات کے نشو و ارتقاء کی تاریخ اور دنیا کے سیاسی افکار کی ترقی میں اسلام کا حصہ وقس علیٰ ہذا۔

اس کورس کے بعد علوم اسلامیہ میں ریسرچ کے لئے ایک مستقل شعبہ ہونا چاہئے جو مغربی یونیورسٹیوں کی طرح اعلیٰ درجہ کی علمی تحقیق پر سند فضیلت (Doctorate) دیا کرے۔ اس شعبہ میں ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو مجتہدانہ طرز تحقیق کی تربیت پا کر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے تمام دنیا کی نظری رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔

حصہ دوم میں جس طرز تعلیم کا خاکہ میں نے پیش کیا ہے وہ بظاہر نا قابل معلوم ہوتا ہے لیکن میں کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ توجہ اور محنت اور صرف مال سے اس کو بتدریج عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ آپ کسی راہ میں پہلا قدم اٹھاتے ہی منزل کے آخری نشان پر نہیں پہنچ سکتے۔ کام کی ابتدا کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کی تکمیل کا پورا سامان پہلے سے آپ کے پاس موجود ہو۔ ابھی تو آپ کو صرف عمارت کی بنیاد رکھنی ہے اور اس کا سامان اس وقت فراہم ہو سکتا ہے۔ موجودہ نسل میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس طرز تعمیر پر بنیادیں رکھ سکتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت سے جو نسل اٹھے گی' وہ دیواریں اٹھانے کے قابل ہو گی۔ پھر تیسری نسل ایسی نکلے گی جس کے ہاتھوں یہ کام انشاء اللہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا جو درجہ کمال کم از کم تین نسلوں کی محنت کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کو آج ہی حاصل کر لینا ممکن نہیں لیکن تیسری نسل میں عمارت کی تکمیل تب ہی ہو سکے گی کہ آپ آج اس کی بنیاد رکھ دیں۔ ورنہ اگر اس کے درجہ کمال کو اپنے سے دور پا کر آپ نے آج سے ابتدا ہی نہ کی' حالانکہ ابتدا کرنے کے اسباب آپ کے پاس موجود ہیں تو یہ کام کبھی انجام نہ پائے گا۔

چونکہ میں اس اصلاحی اقدام کا مشورہ دے رہا ہوں اس لئے یہ بھی میرا ہی فرض ہے کہ اس کو عمل میں لانے کی تدابیر بھی پیش کروں۔ اپنے بیان کے اس حصہ میں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس طرز تعلیم کی ابتدا کس طرح کی جا سکتی ہے اور اس کے لئے قابل عمل تدبیریں کیا ہیں:

ا۔ ہائی اسکول کی تعلیم کے لئے عقائد اسلامی اخلاق اور احکام شریعت کا ایک جامع کورس حال ہی میں سرکار نظام کے محکمہ تعلیمات نے تیار کرایا ہے اس کو ضروری ترمیم و اصلاح سے بہت کار آمد بنایا جا سکتا ہے۔

عربی زبان کی تعلیم قدیم طرز کی وجہ سے جس قدر ہولناک ہو گئی تھی' الحمدللہ کہ اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے۔ اس کے لئے جدید طریقے مصر و شام اور خود ہندوستان میں ایسے نکل آئے ہیں جن سے باسانی یہ زبان سکھائی جا سکتی ہے۔ ایک خاص کمیٹی ان لوگوں کی مقرر کی جائے جو عربی تعلیم کے جدید طریقوں میں علمی و عملی مہارت رکھتے ہیں' اور ان کے مشورہ سے ایک ایسا کورس تجویز کیا جائے جس میں زیادہ تر قرآن ہی کو عربی کی تعلیم کا ذریعہ بنایا گیا ہو۔ اس طرح تعلیم قرآن کے لئے الگ وقت نکالنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور ابتداء ہی سے طلبہ کو قرآن کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

اسلامی تاریخ کے بکثرت رسالے اردو زبان میں لکھے جا چکے ہیں' ان کو جمع کر کے بہ نظر غور دیکھا جائے اور جو رسائل مفید پائے جائیں ان کو ابتدائی جماعتوں کے کورس میں داخل کر لیا جائے۔

مقدم الذکر دونوں مضامین کے لئے روزانہ صرف ایک گھنٹہ کافی ہو گا۔ رہی اسلامی تاریخ تو یہ مضمون کوئی الگ وقت نہیں چاہتا۔ تاریخ کے عمومی نصاب میں اس کو ضم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہائی اسکول کی تعلیم کے موجودہ نظم میں کوئی زیادہ تغیر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ تغیر کی ضرورت جو کچھ بھی ہے نصاب تعلیم' طرز تعلیم' اور تعلیمی اسٹاف میں ہے۔ دینیات کی تدریس اور اس کے مدرس کا جو تصور آپ کے ذہن میں اب تک رہا ہے اس کو نکال دیجئے۔ اس دور کے لڑکوں اور لڑکیوں کی ذہنیت اور ان کے نفسیات کو سمجھنے والے مدرس رکھئے۔ ان کو یہ ترقی یافتہ نصاب تعلیم دیجئے اور اس کے ساتھ ایسا ماحول پیدا کیجئے جس میں "اسلامیت" کے بیج کو بالیدگی نصیب ہو سکے۔

۲۔ کالج کے لئے نصاب عام کی جو تجویز میں نے پیش کی ہے اس کے تین اجزا ہیں:

(الف) عربیت

(ب)) قرآن

(ج) تعلیمات اسلامی

ان میں سے عربیت کو آپ ثانوی لازمی زبان کی حیثیت دیجئے۔ دوسری زبانوں میں سے کسی کی تعلیم اگر طلبہ حاصل کرنا چاہیں تو ٹیوٹرس کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر کالج میں جو زبان ذریعہ تعلیم ہے اس کے بعد عربی زبان ہی لازمی ہونی چاہئے۔ اگر نصاب اچھا ہو اور پڑھانے والے آزمودہ کار ہوں تو انٹرمیڈیٹ کے دو سالوں میں طلبہ میں اتنی استعداد پیدا کی جا سکتی ہے کہ وہ بی۔ اے میں پہنچ کر قرآن کریم کی تعلیم خود قرآن کی زبان میں حاصل کر سکیں۔

قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ وہ اپنے لیکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کر دے گا پھر بی اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھا دے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔ "تعلیمات اسلامی" کے لئے ایک جدید کتاب لکھوانے کی ضرورت ہے جو ان مقاصد پر حاوی ہو جن کی طرف میں نے حصہ دوم کے نمبر ۵ ضمن (ج) میں اشارہ کیا ہے' کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے خود ایک کتاب کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب "اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی" کے عنوان سے لکھنی شروع کی تھی جس کے ابتدائی تین باب ترجمان القرآن میں محرم ۵۲ھ سے شعبان ۵۳ھ تک پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر اس کو مفید سمجھا جائے تو میں اس کی تکمیل کر کے یونیورسٹی کی نذر کر دوں گا۔

ان مضامین کے لئے کالج کی تعلیم کے موجودہ نظم میں کسی تغیر کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ عربیت کے لئے وہی وقت کافی ہے جو آپ کے ہاں ثانوی تعلیم کے لئے ہے۔ قرآن اور تعلیمات اسلامیہ دونوں کے لئے باری باری سے وہی وقت کافی ہو سکتا ہے جو آپ کے دینیات کے لئے مقرر ہے۔

۳- زیادہ تر مشکل اس تجویز کو عملی جامہ پہنچانے میں پیش آئے گی جسے میں نے حصہ دوم کے نمبر(۶) و (۷) میں پیش کیا ہے۔ اس کے حل کی تین صورتیں ہیں جن کو بتدریج اختیار کیا جا سکتا ہے۔

(الف) ایسے پروفیسر تلاش کئے جائیں (اور وہ ناپید نہیں ہیں) جو علوم جدیدہ کے ماہر ہونے کے ساتھ قرآن اور سنت میں بھی بصیرت رکھتے ہوں' جن میں اتنی اہلیت ہو کہ مغربی علوم کے حقائق کو ان کے نظریات کے مطابق کر سکیں۔

(ب) اسلامی فلسفہ قانون' اصول قانون و فلسفہ تشریع' سیاسیات' عمرانیات' معاشیات و فلسفہ تاریخ وغیرہ کے متعلق عربی' اردو' انگریزی' جرمن اور فرنچ زبانوں میں جس قدر لٹریچر موجود ہے اس کی چھان بین کی جائے۔ جو کتابیں بعینہ لینے کے قابل ہوں' ان کا انتخاب کر لیا جائے اور جن کو اقتباس یا حذف یا ترمیم کے ساتھ کار آمد بنایا جا سکتا ہو' ان کو اسی طریق پر لایا جائے۔ اس غرض کے لئے اہل علم کی خاص جمعیت مقرر کرنی ہو گی۔

(ج) چند ایسے فضلاء کی خدمات حاصل کی جائیں جو مذکورہ بالا علوم پر جدید کتابیں تالیف کریں' خصوصیت کے ساتھ اصول فقہ' احکام فقہ' اسلامی معاشیات' اسلام کے اصول عمران اور حکمت قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ قدیم کتابیں اب درس و تدریس کے لئے کار آمد نہیں ہیں۔ ارباب اجتہاد کے لئے تو بلاشبہ ان میں بہت اچھا مواد مل سکتا ہے مگر ان کو جوں کا توں لے کر موجودہ زمانے کے طلبہ کو پڑھانا بالکل بے سود ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سردست ان تینوں تدبیروں سے وہ مقصد بدرجہ کمال حاصل نہ ہو گا جو ہمارے پیش نظر ہے۔ بلاشبہ اس تعمیر جدید میں بہت کچھ نقائص پائے جائیں گے لیکن اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ صحیح راستہ پر پہلا قدم ہو گا۔ اس میں جو کوتاہیاں رہ جائیں گی ان کو بعد کی نسلیں پورا کریں گی۔ یہاں تک کہ اس کے

تکمیلی ثمرات کم از کم پچاس سال بعد ظاہر ہوں گے۔

۴۔ اسلامی ریسرچ کا شعبہ قائم کرنے کا ابھی موقع نہیں۔ اس کی نوبت چند سال بعد آئے گی۔ اس لئے اس کے متعلق تجاویز پیش کرنا قبل از وقت ہے۔

۵۔ میری تجویز میں فرقی اختلافات کی گنجائش بہت کم ہے۔ تاہم اس باب میں علمائے شیعہ سے استصواب کر لیا جائے کہ وہ کس حد تک اس طرز تعلیم میں شیعہ طلباء کو سنی طلبا کے ساتھ رکھنا پسند کریں گے اگر وہ چاہیں تو شیعہ طلبہ کے لئے خود کوئی اسکیم مرتب کریں مگر مناسب یہ ہو گا کہ جہاں تک ہو سکے تعلیم میں فروعی اختلافات کو کم از کم جگہ دی جائے اور مختلف فرقوں کی آئندہ نسلوں کو اسلام کے مشترک اصول و مبادی کے تحت تربیت کیا جائے۔

۶۔ سر محمد یعقوب کے اس خیال سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ وقتاً" فوقتاً" علماء و فضلاء کو اہم مسائل پر لیکچر دینے کے لئے دعوت دی جاتی رہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ علی گڑھ کو نہ صرف ہندوستان کا بلکہ تمام دنیائے اسلام کا دماغی مرکز بنا دیا جائے۔ آپ اکابر ہندوستان کے علاوہ مصر' شام' ایران' ترکی اور یورپ کے مسلمان فضلاء کو بھی دعوت دیجئے کہ یہاں آکر اپنے خیالات' تجربات' اور نتائج تحقیق سے ہمارے طلبہ میں روشنی فکر اور روح حیات پیدا کریں۔ اس قسم کے خطبات کافی معاوضہ دے کر لکھوائے جانے چاہیں' تاکہ وہ کافی وقت' محنت اور غور و فکر کے ساتھ لکھے جائیں اور ان کی اشاعت نہ صرف یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے بلکہ عام تعلیم یافتہ پبلک کے لئے بھی مفید ہو۔

۷۔ اسلامی تعلیم کے لئے کسی ایک زبان کو مخصوص کرنا درست نہیں۔ اردو' عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان میں اس وقت نصاب کے لئے کافی سامان موجود نہیں۔ لہذا سردست ان میں سے جس زبان میں بھی جو مفید چیز مل جائے اس کو اسی زبان میں پڑھانا چاہئے۔ دینیات اور علوم اسلامیہ کے معلمین سب کے سب ایسے ہونے چاہیں جو انگریزی اور عربی دونوں زبانیں جانتے ہوں۔ اب کوئی یک رخا آدمی صحیح

معلم دینیات نہیں ہو سکتا۔

میں اپنے بیان کی اس طوالت پر عذر خواہ ہوں مگر اتنی طویل تفصیل میرے لئے ناگزیر تھی کیونکہ میں بالکل ایک نئے راستہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں جس کے نشانات کو پہچاننے میں خود مجھے غور و فکر کے کئی سال صرف کرنے پڑے ہیں۔ میں حتماً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے مستقل قومی وجود اور ان کی تہذیب کے باقی رہنے کی اب کوئی صورت بجز اس کے نہیں ہے کہ ان کے طرز تعلیم و تربیت میں انقلاب پیدا کیا جائے' اور وہ انقلاب ان خطوط پر ہو جو میں نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے اور خود علی گڑھ میں ان کی کمی نہیں جو میرے ان خیالات کو دیوانے کا خواب کہیں گے' اگر ایسا ہو تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہو گا۔ پیچھے دیکھنے والوں نے آگے دیکھنے والوں کو اکثر دیوانہ ہی سمجھا ہے اور ایسا سمجھنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں چند سال بعد شاید میری زندگی ہی میں وہ اس کو بچشم سر دیکھیں گے اور ان کو اس وقت اصلاح حال کی ضرورت محسوس ہو گی جب طوفان سر پر ہو گا اور تلافی مافات کے مواقع کم تر رہ جائیں گے۔

خطبہ تقسیم اسناد

(کچھ مدت ہوئی ایک اسلامیہ کالج کے جلسہ تقسیم اسناد (convocation) میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو خطبہ دینے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس موقع پر آپ نے جو کچھ فرمایا تھا اسے فائدہ عام کی خاطر ان صفحات میں نقل کر دیا گیا ہے۔ یہاں اس بات کی داد نہ دینا ظلم ہو گا کہ جس تلخ صاف گوئی سے مولانا موصوف نے اپنے خطبہ میں کام لیا ہے اسے وہاں نہایت ٹھنڈے دل سے سنایا گیا اور بہتوں نے صداقت کا اعتراف بھی کیا۔ کالج کے پرنسپل ایک ایسے صاحب تھے جو موجودہ زمانے کے "ترقی پسندوں" کی صف اول میں ہیں' مولانا کے نقطہ نظر سے ان کو سخت اختلاف ہونا ہی چاہئے' لیکن اپنی "ترقی پسندی" کے ایک کھلے دشمن کو دعوت دینے والے وہ خود ہی تھے اور اس کی تلخ گفتاری کو بھی سب سے زیادہ خندہ پیشانی کے ساتھ انہوں نے ہی سنا۔ اگرچہ ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ تلخ صداقتیں ان دارالعلوموں میں بھی جا کر کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' جہاں مسلمانوں کو نوخیز نسلوں کے ساتھ اس سے بدتر معاملہ ہو رہا ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ سوٹوں میں لاکھوں عیب کے باوجود جتنے بڑے دل چھپے ہوئے ہیں' جبوں میں اتنے بڑے دل بھی نہیں ہیں۔ جو کچھ ایک کالج میں کہہ ڈالا گیا' اس کا بیسواں حصہ بھی دارالعلوم میں اس سے زیادہ ادب کے ساتھ دست بستہ بھی عرض کیا جاتا تو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی)

فاضل اساتذہ' معزز حاضرین اور عزیز طلباء

آپ کے اس جلسہ تقسیم اسناد (قدیم اصطلاح کے مطابق جلسہ دستار بندی) میں

مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا جو موقع دیا گیا ہے اس کے لئے میں "حقیقتاً" بہت شکر گزار ہوں۔ "حقیقتاً" کا لفظ میں خصوصیت کے ساتھ اس لئے بول رہا ہوں کہ یہ شکر گزاری رسمی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور گہرے جذبہ قدر شناسی پر مبنی ہے۔ جس نظام تعلیم کے تحت آپ کا یہ عالیشان ادارہ قائم ہے اور جس کے تحت تعلیم پا کر آپ کے کامیاب طلباء سند فراغ حاصل کر رہے ہیں میں اس کا سخت دشمن ہوں اور میری دشمنی کسی ایسے شخص سے چھپی ہوئی نہیں جو مجھے جانتا ہے۔ اس امر واقعی کے معلوم و معروف ہونے کے باوجود جب یہاں اس تقریب پر مجھے خطبہ عرض کرنے کے لئے مدعو کیا گیا ہے تو فطری بات تھی کہ میرا دل ایسے لوگوں کے لئے قدر و اعتراف کے جذبہ سے بھر جائے جو اپنے طریق کار کے دشمن کی باتیں سننے کے لئے بھی اپنے قلب میں کافی وسعت رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ مجھے آپ کی اس مہربانی کا بھی شکر گزار ہونا چاہئے کہ آپ نے مجھے عین اس وقت اپنی قوم کے ان نوجوانوں سے خطاب کرنے کا موقع دیا ہے جب کہ یہ آپ سے رخصت ہو کر ہماری عملی زندگی کے میدان میں آنے والے ہیں۔

معزز سامعین' اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کی طرف سے رخ پھیر کر اپنے عزیزوں سے مخاطب ہو جاؤں جو آج یہاں سے ڈگری لے رہے ہیں کیونکہ وقت کم ہے اور ۔

غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

عزیزان من' آپ نے یہاں اپنی زندگی کے بہت سے قیمتی سال صرف کر کے تعلیم حاصل کی ہے۔ بڑی امنگوں کے ساتھ آپ اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جبکہ آپ کو اپنی محنتوں کا پھل ایک ڈگری کی صورت میں یہاں سے ملنے والا ہے۔ ایسے موقع پر جسے آپ اپنے نزدیک مبارک موقع سمجھتے ہوں گے' آپ کے جذبات کی نزاکت کا مجھے پورا احساس ہے اور اسی لئے آپ کے سامنے اپنے خیالات کا صاف صاف اظہار کرتے ہوئے میرا دل دکھتا ہے۔ مگر میں آپ سے خیانت کروں گا اگر محض

نمائشی طور پر آپ کے جذبات کی رعایت کرکے وہ بات آپ سے نہ کہوں جو میرے نزدیک سچی ہے اور جس سے آپ کو آگاہ کرنا اس وقت اور اسی وقت میں ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس وقت آپ اپنی زندگی کے ایک مرحلہ سے گزر کر دوسرے مرحلے کی طرف جا رہے ہیں۔ دراصل میں آپ کی اس مادر تعلیمی کو اور مخصوص طور پر اسی کو نہیں بلکہ ایسی تمام مادران تعلیم کو درس گاہ کے بجائے قتل گاہ سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک آپ فی الواقع یہاں قتل کئے جاتے رہے ہیں اور یہ ڈگریاں جو آپ کو ملنے والی ہیں' یہ دراصل موت کے صداقت نامے (Death Certificates) ہیں جو قاتل کی طرف سے آپ کو اس وقت دیئے جا رہے ہیں جب کہ وہ اپنی حد تک اس بات کا اطمینان کر چکا ہے کہ اس نے آپ کی گردن کا تسمہ تک لگا رہنے نہیں دیا ہے۔ اب یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ اس منضبط اور منظم قتل گاہ سے بھی جان سلامت لے کر نکل آئیں۔ میں یہاں اس صداقت نامہ موت کے حصول پر آپ کو مبارک باد دینے نہیں آیا ہوں بلکہ آپ کا ہم قوم ہونے کی وجہ سے جو ہمدردی قدرتی طور پر میں آپ کے ساتھ رکھتا ہوں وہ مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے بھائی بندوں کا قتل عام ہو چکنے کے بعد لاشوں کے ڈھیر میں یہ ڈھونڈتا پھرتا ہوں کہ کہاں کوئی سخت جان بسمل ابھی سانس لے رہا ہے۔

یقین جانئے یہ بات میں مبالغہ کی راہ سے نہیں کہہ رہا ہوں' اخباری زبان میں "سنسنی" پیدا کرنا نہیں چاہتا فی الواقع اس نظام تعلیم کے متعلق میرا نقطہ نظر یہی ہے اور اگر میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتاؤں کہ میں کیوں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں تو کیا عجب کہ آپ خود بھی مجھ سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

شاید آپ میں سے ہر شخص اس بات کو جانتا ہو گا کہ اگر کوئی پودا ایک جگہ سے اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ لگا دیا جائے جہاں کی زمین' آب و ہوا' موسم ہر چیز اس کی طبیعت کے خلاف ہو' تو وہ وہاں کبھی جڑ نہ پکڑ سکے گا' یہ دوسری بات ہے کہ مصنوعی طور پر اس کے لئے وہی حالات پیدا کر دیئے جائیں جو اس کی قدرتی جائے پیدائش میں

تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ لیبوریٹری کی مصنوعی زندگی ہر پودے کو تمام عمر کے لئے میسر نہیں آسکتی۔ اس غیر معمولی صورت حال کو نظرانداز کردینے کے بعد یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ کسی پودے کو اس کی اصل جائے پیدائش سے اکھاڑنا اور ایک مختلف قسم کے ماحول میں لیجا کر لگا دینا دراصل اسے ہلاک کردینا ہے۔

اچھا اب ذرا اس بد قسمت پودے کی حالت کا اندازہ کیجئے جو اپنی زمین سے اکھاڑا نہیں گیا' اپنے ماحول سے نکالا بھی نہیں گیا' وہی زمین ہے' وہی آب و ہوا' وہی موسم ہے جس میں وہ پیدا ہوا تھا' مگر سائنٹفک طریقوں سے خود اس کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کردی گئی کہ وہیں اپنی ہی جائے پیدائش میں اس کی طبیعت اس زمین' اس آب و ہوا اور اس موسم سے بے لگاؤ اور بے گانہ ہو کر رہ گئی۔ اور وہ اس قابل نہ رہا کہ اس میں اپنی جڑیں پھیلا سکے۔ اس ہوا اور پانی سے غذا حاصل کرسکے اور اس موسم میں پھل پھول سکے' اس اندرونی تغیر کی وجہ سے وہ بعینہٖ ایسا ہوگیا جیسے کسی دوسری زمین کا پودا ہے اور اجنبی ماحول میں لاکر لگا دیا گیا ہے۔ اب وہ اس کا محتاج ہوگیا ہے کہ اس کے گرد مصنوعی فضا تیار کی جائے اور مصنوعی طور پر اس کی زندگی کا سامان کیا جائے۔ یہ لیبوریٹری کی زندگی اگر اسے بہم نہ پہنچے تو وہ جہاں پیدا ہوا تھا وہیں کھڑے کھڑے زمین چھوڑ دے گا اور مرجھا کر رہ جائے گا۔

پہلا فعل یعنی ایک پودے کو چھوڑ کر اجنبی ماحول میں لگانا چھوٹے درجہ کا ظلم ہے اور دوسرا فعل یعنی ایک پودے کو اسی جگہ جہاں وہ پیدا ہوا ہے اپنے ماحول سے اجنبی بنا دینا اس سے عظیم تر ظلم ہے۔ اور جب ایک دو نہیں لاکھوں پودوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جا رہا ہو اور اتنے کثیرالتعداد پودوں کے لئے لیبوریٹری کی مصنوعی فضا بہم پہنچنا محال ہو تو بے جا نہ ہوگا اگر اسے ظلم کے بجائے قتل عام کہا جائے۔

حقیقی صورت حال کا جو مطالعہ میں نے کیا ہے وہ مجھے بتاتا ہے کہ ان درسگاہوں میں آپ کے ساتھ یہی کچھ ہو رہا ہے۔ آپ ہندوستان کی سرزمین میں مسلم سوسائٹی کے اندر پیدا ہوئے۔ یہی زمین' یہی تمدنی آب و ہوا اور یہی تہذیبی ماحول ہے جس کی

پیداوار آپ ہیں۔ آپ کے نشوونما پانے اور پھل پھول لانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اسی زمین میں جڑیں پھیلائیں اور اسی آب و ہوا سے زندگی کی طاقت حاصل کریں۔ اس ماحول سے آپ کو جتنی زیادہ مناسبت ہوگی اسی قدر زیادہ بالیدگی آپ کو نصیب ہو گی اور اسی قدر زیادہ اس چمن کی بہار میں اضافہ کریں گے۔ مگر واقعہ کیا ہے؟ یہاں جو تعلیم اور تربیت آپ کو ملتی ہے جو ذہنیت آپ کے اندر پیدا ہوتی ہے' جو خیالات' جذبات اور داعیات آپ کے اندر پرورش پاتے ہیں' جو عادات و اطوار اور خصائل آپ میں راسخ ہوتے ہیں اور جس طرز فکر' رنگ طبیعت اور طریق زندگی کے سانچے میں آپ ڈھالے جاتے ہیں کیا وہ سب مل جل کر اس زمین اس آب و ہوا اور اس موسم سے مناسبت بھی آپ کے اندر باقی رہنے دیتے ہیں؟ یہ زبان جو آپ بولتے ہیں' یہ لباس جو آپ پہنتے ہیں' یہ طرز زندگی جو آپ اختیار کرتے ہیں' یہ نظریات اور افکار جو آپ اس تعلیم سے حاصل کرتے ہیں' ان سب چیزوں کو آخر کون سا لگاؤ آپ کے ان کروڑوں بھائیوں کے ساتھ ہے جن کے درمیان آپ کا جینا اور مرنا ہے' اور اس تمدن کے ساتھ جو آپ کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی شخصیت اس ماحول میں کس قدر بیگانہ ہے اور ماحول آپ کی شخصیت کے لئے کتنا اجنبی ہے؟ کاش آپ کے اندر اتنی حس باقی رہنے دی گئی ہوتی کہ اس بیگانگی اور اس کی اذیت کو محسوس کر سکتے۔

آپ اتنا تو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ خام اشیاء کو صنعت اور کاریگری سے تیار کرنے کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے لئے کار آمد اور مفید بن سکیں' جو چیز اس طرح تیار کی گئی ہو کہ اسے یہ مدعا حاصل نہ ہو سکے' وہ خود بھی ضائع ہوئی اور اس پر کاریگری بھی فضول صرف کی گئی۔ کپڑے پر خیاطی کی قابلیت اسی لئے صرف کی جاتی ہے کہ جسم پر وہ راست آئے' یہ بات حاصل نہ ہوئی تو اس کاریگری نے کپڑے کو بنایا نہیں' بگاڑ دیا۔ خام جنس پر طباخی کا فن صرف کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائے۔ اگر وہ کھانے ہی کے قابل نہ ہوئی تو باورچی نے اسے ضائع کیا نہ

کہ بنایا' بالکل اسی طرح تعلیم کا مدعا بھی یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جن نئے انسانوں نے جنم لیا ہے اور جو جبلی صلاحیتیں (Potentialities) ابھی خام حالت میں ہیں ان کو بنا سنوار کر اور بہتر طریقہ پر نشوونما دے کر اس قابل بنا دیا جائے کہ جس سوسائٹی نے انہیں جنم دیا ہے وہ اس کے مفید اور کارآمد فرد بن سکیں اور اس کی زندگی کے لئے بالیدگی اور فلاح و ترقی کا ذریعہ ہوں۔ مگر جو تعلیم افراد کو اپنی سوسائٹی اور اس کی حقیقی زندگی سے اجنبی بنا دے' اس کے حق میں اس کے سوا آپ اور کیا فتوٰی دے سکتے ہیں کہ وہ افراد کو بناتی نہیں بلکہ ضائع کرتی ہے؟ ہر قوم کے بچے دراصل اس کے مستقبل کا محضر ہوتے ہیں' قدرت کی طرف سے یہ محضر ایک لوح سادہ کی شکل میں آتا ہے اور قوم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خود اس پر اپنے مستقبل کا فیصلہ لکھے۔ ہم وہ دیوالیہ قوم ہیں جو اس محضر پر اپنے مستقبل کا فیصلہ خود لکھنے کے بجائے اسے دوسروں کے حوالہ کر دیتے ہیں کہ وہ اس پر جو چاہیں ثبت کر دیں خواہ وہ ہماری اپنی موت ہی کا فتوٰی کیوں نہ ہو۔

جب آپ کوئی کپڑا سلواتے ہیں اور وہ آپ کے جسم پر راست نہیں آتا تو مجبوراً اسے مارکٹ میں لے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اونے پونے بیچ کر کچھ دام ہی سیدھے کر لیں۔ اگر کپڑا کوئی ذی شعور ہستی ہو تو وہ خود بھی اپنا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں سوچ سکتا کہ کہیں نہ کہیں اس کے سے ناپ اور اس کی سی تراش خراش کے کپڑے کی مانگ ہو تو وہ وہاں کھپ جائے جب تک کسی جسم پر وہ راست نہ آئے گا' نیلام گھروں اور کباڑ خانوں میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔ ایسا ہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو ان درسگاہوں سے تیار ہو کر نکلتے ہیں۔ جس سوسائٹی نے انہیں تیار کرایا ہے اس کے پاس جب یہ تیار ہو کر واپس پہنچتے ہیں تو وہ بھی محسوس کرتی ہے اور یہ خود بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس کے تمدن اور اس کی زندگی کے لئے ٹھیک نہیں بنے۔ جس طرح معدہ اس غذا کو قبول نہیں کرتا جو اسکے لئے مناسب نہ ہو' اسی طرح سوسائٹی بھی طبعی طور پر ان افراد کو اپنے اندر کھپا نہیں سکتی جو اس کے لئے مناسب نہ ہوں۔ نتیجہ

یہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے کسی کام کا نہ پا کر نیلام کے لئے پیش کر دیتی ہے اور یہ خود بھی اپنی زندگی کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں سمجھتے کہ کہیں بک جائیں۔ آپ غور تو کیجئے کس قدر خسارے میں ہے وہ قوم جو اپنی بہترین انسانی متاع دوسروں کے ہاتھ بیچتی ہے؟ ہم وہ ہیں جو انسان دے کر جوتی اور کپڑا اور روٹی حاصل کرتے ہیں! قدرت نے جو انسانی طاقت (Man Power) اور دماغی طاقت (Brain Power) ہم کو خود ہمارے اپنے کام کے لئے دی تھی وہ دوسروں کے کام آتی ہے۔ ان کے بڑے کٹے جسموں میں جو قوت بھری ہوئی ہے ان بڑے سروں میں جو قابلیتیں بھری ہوئی ہیں' ان چوڑے چکلے سینوں میں جو دل طرح طرح کی طاقتیں رکھتے ہیں جنہیں خدا نے ہمارے لئے عطا کیا تھا' ان میں سے بمشکل ایک دو فی صدی ہمارے کام آتے ہیں' باقی سب کو دوسرے خرید لے جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس خسارے کی تجارت کو ہم بڑی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا اصل سرمایہ زندگی تو یہی انسانی طاقت ہے' اس لئے اسے بیچنا نفع کا سودا نہیں بلکہ سراسر ٹوٹا ہے۔

مجھے بکثرت ایسے نوجوانوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے جو اعلیٰ تعلیم پا رہے ہیں یا تازہ تازہ فارغ ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے میں یہ تحقیق کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا کوئی مقصد بھی معین کیا ہے یا نہیں۔ مگر میری مایوسی کی انتہا نہیں رہتی جب میں دیکھتا ہوں کہ مشکل سے ہزاروں میں کوئی ایک ایسا ملتا ہے جو اپنے سامنے زندگی کا کوئی مقصد رکھتا ہو بلکہ بیشتر اصحاب ایسے ہیں جن کے ذہن میں اس امر کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی مقصد بھی ہونا چاہئے یا ہو سکتا ہے۔ مقصد کے سوال کو وہ محض ایک فلسفیانہ یا شاعرانہ مسئلہ سمجھتے ہیں اور عملی حیثیت سے یہ طے کرنے کی ضرورت کوئی ان کو محسوس نہیں ہوتی کہ آخر دنیا کی زندگی میں ہماری کوششوں اور محنتوں کا ہماری دوڑ دھوپ کا کوئی منتہا (Goal) اور کوئی مقصود بھی ہونا چاہئے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی یہ حالت دیکھ کر میرا سر چکرانے لگتا ہے۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگتا ہوں کہ اس نظام تعلیم کو کس نام سے یاد

کروں‘ جو پندرہ بیس سال کی مسلسل دماغی تربیت کے بعد بھی انسان کو اس قابل نہیں بناتا کہ وہ اپنی قابلیتوں کا کوئی مصرف اور اپنی کوششوں کا کوئی مقصود متعین کر سکے۔ بلکہ زندگی کے لئے کسی نصب العین کی ضرورت ہی محسوس کر سکے یہ انسانیت کو بنانے والی تعلیم ہے یا اس کو قتل کرنے والی؟ بے مقصد (Aimless) زندگی بسر کرنا تو حیوانات کا کام ہے۔ اگر آدمی بھی صرف اس لئے جئے کہ جینا ہے اور اپنی قوتوں کا مصرف بقائے نفس اور تناسل کے سوا کچھ نہ سمجھے تو آخر اس میں اور دوسرے حیوانات میں کیا فرق باقی رہا۔

میری اس تنقید کا یہ مدعا ہرگز نہیں ہے کہ آپ کو ملامت کروں۔ ملامت تو قصور وار کو کی جاتی ہے اور آپ قصور وار نہیں بلکہ مظلوم ہیں۔ اس لئے میں دراصل آپ کی ہمدردی میں یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب جو آپ زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھنے کے لئے جا رہے ہیں تو پوری طرح اپنا جائزہ لے کر دیکھ لیں کہ فی الواقع اس مرحلہ پر آپ کس پوزیشن میں ہیں‘ آپ ملت اسلام کے افراد ہیں۔ یہ ملت کوئی نسلی قومیت نہیں ہے کہ جو اس میں پیدا ہوا ہو‘ وہ آپ سے آپ مسلم ہو۔ یہ محض ایک تمدنی گروہ (Cultural Group) کا نام بھی نہیں ہے جس کے ساتھ محض معاشرتی حیثیت سے وابستہ ہونا مسلم ہونے کے لئے کافی ہو۔ دراصل اسلام ایک مخصوص نظام فکر (Ideology) کا نام ہے‘ جس کی بنیاد پر تمدنی زندگی اپنے تمام شعبوں اور پہلوؤں کے ساتھ تعمیر ہوتی ہے۔ اس ملت کی بقا بالکل اس بات پر منحصر ہے کہ جو افراد اس میں شامل ہوں وہ اس کے نظام فکر کو سمجھتے ہوں‘ اس کی روح سے آشنا ہوں اور اپنی تمدنی زندگی کے ہر شعبہ میں اس روح کی عملی تفسیر و تعبیر پیش کرنے پر قادر ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ ملت کے اہل دماغ طبقہ (Intelligentia) کے لئے تو سب سے بڑھ کر اس علم و فہم اور اس عمل کی ضرورت ہے کیونکہ یہی طبقہ ملت کا رہنما اور پیش رو ہے۔ اگرچہ ہر قوم اور ہر گروہ کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا اہل دماغ طبقہ اس کی مخصوص قومی تہذیب کے

رنگ میں پوری طرح رنگا ہوا ہو' لیکن ملت اسلام کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ یہاں ہماری انفرادیت کی اساس نہ خاک ہے نہ خون' نہ رنگ ہے نہ زبان نہ کوئی اور مادی چیز' بلکہ صرف اسلام ہے۔ ہمارے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ہماری ملت کے افراد اور خصوصاً" اہل دماغ طبقے' اسلامی طرز فکر اور اسلامی طرز عمل کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں' اس لحاظ سے ان کی تعلیم اور تربیت میں جتنی اور جیسی کمزوری ہو گی اس کا عکس ہماری ملت کی زندگی میں جوں کا توں نمودار ہو گا' اور اگر وہ اس سے بالکل خالی ہوں تو یہ دراصل ہماری موت کا نشان ہو گا۔

یہ وہ حقیقت ہے جس سے یہاں کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ موجودہ نظام تعلیم میں ملت اسلام کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جو انتظام کیا جاتا ہے۔ وہ دراصل ان کو اس ملت کی پیشوائی کے لئے نہیں بلکہ اس کی غارت گری کے لئے تیار کرتا ہے؟ ان درسگاہوں میں آپ کو فلسفہ' سائنس' معاشیات' قانون' سیاسیات' تاریخ اور دوسرے وہ تمام علوم پڑھائے جاتے ہیں جن کی مارکیٹ میں مانگ ہے' مگر آپ کو اسلام کے فلسفے' اسلام کی تاریخ اور فلسفہ تاریخ کی ہوا تک نہیں لگنے پاتی۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے' آپ کے ذہن میں زندگی کا پورا نقشہ اپنے تمام جزئیات اور تمام پہلوؤں کے ساتھ بالکل غیر اسلامی خطوط پر بنتا ہے۔ آپ غیر اسلامی طرز پر سوچنے لگتے ہیں' غیر اسلامی نقطۂ نظر زندگی کے ہر معاملہ کو دیکھتے ہیں اور دیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے کبھی آپ کے سامنے آتا ہی نہیں' منتشر طور پر کچھ معلومات اسلام کے متعلق آپ تک پہنچتی ہیں مگر وہ غیر مستند اور بسا اوقات غلط اوہام و خرافات کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہیں۔ ان معلومات سے اس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ آپ ذہنی طور پر اسلام سے زیادہ بعید ہو جاتے ہیں۔ آپ میں سے جو لوگ محض آبائی مذہب ہونے کی وجہ سے اسلام کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے ہیں وہ دماغی طور پر غیر مسلم ہو جانے کے باوجود کسی نہ کسی طرح اپنے دل کو

سمجھاتے رہتے ہیں کہ اسلام حق تو ضرور ہو گا اگرچہ سمجھ میں نہیں آتا اور جو لوگ اس عقیدت سے بھی خالی ہو چکے ہیں وہ اسلام پر اعتراض کرنے اور اس کا مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتے۔

اس قسم کی تعلیم پانے کے ساتھ عملاً" جو تربیت آپ کو میسر آتی ہے جس ماحول میں آپ گھرے رہتے ہیں اور عملی زندگی کے جن نمونوں سے آپ کو واسطہ پیش آتا ہے ان میں مشکل ہی سے کہیں اسلامی کیریکٹر اور اسلامی طرز عمل کا نشان پایا جاتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو نہ عملی حیثیت سے اسلام کی واقفیت بہم پہنچائی گئی ہو۔ نہ عملی حیثیت سے اسلامی تربیت دی گئی ہو' وہ فرشتے تو نہیں ہیں کہ خود بخود مسلمان بن کر اٹھیں' ان پر وحی نازل تو نہیں ہوتی کہ خود بخود ان کے دل میں علم دین ڈال دیا جائے۔ وہ پانی اور ہوا سے تو اسلامی تربیت اخذ نہیں کر سکتے' اگر وہ فکر اور عمل دونوں حیثیتوں سے غیر اسلامی شان رکھتے ہیں تو یہ ان کا قصور نہیں بلکہ ان درسگاہوں کا قصور ہے جو موجودہ نظام تعلیم کے تحت قائم کی گئی ہیں۔ درحقیقت یہ میرا وجدان ہے' جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان درسگاہوں میں دراصل آپ کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس ملت کی قبر کھودی جاتی ہے جس کے نونہال آپ ہیں۔ آپ نے جس سوسائٹی میں جنم لیا ہے جس کے خرچ پر تعلیم پائی ہے' جس کی فلاح کے ساتھ آپ کی فلاح اور جس کی زندگی کے ساتھ آپ کی زندگی وابستہ ہے' اس کے لئے آپ بیکار بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ آپ کو صرف یہی نہیں کہ اس کی فلاح کے لئے کام کرنے کے قابل نہیں بنایا گیا بلکہ دراصل آپ کو باضابطہ اور منظم طریقہ پر ایسا بنا دیا گیا ہے کہ بلا ارادہ آپ کی ہر حرکت اس ملت کے لئے فتنہ سامان ہو' حتیٰ کہ آپ اس خیر خواہی کے لئے بھی کچھ کرنا چاہیں تو وہ اس کے حق میں مضر ثابت ہو' اس لئے کہ آپ اس کی فطرت سے بے خبر اور اس کے ابتدائی اصولوں تک سے بیگانہ رکھے گئے ہیں اور آپ کی پوری دماغی تربیت اس نقشہ پر کی گئی ہے جو ملت اسلام کے نقشہ کے بالکل برعکس ہے۔

اپنی اس پوزیشن کو اگر سمجھ لیں اور اگر آپ کو پوری طرح احساس ہو جائے کہ فی الواقع کس قدر خطرناک حالت کو پہنچا کر اب آپ کو کار زار زندگی کی طرف جانے کے لئے چھوڑا جا رہا ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کچھ نہ کچھ تلافی مافات کی کوشش ضرور کریں گے۔ پوری تلافی تو شاید اب بہت ہی مشکل ہے تاہم میں آپ کو تین باتوں کا مشورہ دوں گا جن سے آپ کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۱۔ جہاں تک ممکن ہو عربی زبان سیکھنے کی کوشش کیجئے' کیونکہ اسلام کا ماخذ اصلی یعنی قرآن اسی زبان میں ہے اور اس کو جب تک آپ اس کی اپنی زبان میں نہ پڑھیں گے اسلام کا نظام فکر کبھی آپ کی سمجھ میں پوری طرح نہ آ سکے گا۔ عربی زبان کی تعلیم کا پرانا ہولناک طریقہ اب غیر ضروری ہو گیا ہے جدید طرز تعلیم سے آپ چھ مہینے میں اتنی عربی سیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کی عبارت سمجھنے لگیں۔

۲۔ قرآن مجید' سیرت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کا مطالعہ اسلام کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے' جہاں آپ نے اپنی زندگی کے ۱۲۔ ۱۵ سال دوسری چیزوں کے پڑھنے میں ضائع کئے ہیں وہاں اس سے آدھا بلکہ چوتھائی وقت ہی اس چیز کے سمجھنے میں صرف کر دیجئے جس پر آپ کی ملت کی اساس قائم ہے اور جس کو جانے بغیر آپ اس ملت کے کسی کام نہیں آ سکتے۔

۳۔ جو کچھ بھلی یا بری رائے آپ نے ناکافی اور منتشر معلومات کی بنا پر اسلام کے متعلق قائم کر رکھی ہے' اس سے اپنے ذہن کو خالی کر کے اس کا باقاعدہ مطالعہ (Systematic Study) کیجئے۔ پھر جس رائے پر بھی آپ پہنچیں گے وہ قابل وقعت ہو گی۔ تعلیم یافتہ آدمیوں کے لئے یہ کسی طرح موزوں نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کے متعلق کافی معلومات حاصل کئے بغیر قائم کریں۔ اب میں اس دعا کے ساتھ اپنا یہ خطبہ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے اور آپ کو اس خطرے سے بچائے جس میں آپ پھنسا دیئے گئے ہیں۔

نیا نظام تعلیم

(یہ خطبہ ۵ جنوری ۱۹۴۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی انجمن اتحاد طلبہ کے سامنے پڑھا گیا)

حضرات، خوش قسمتی سے آج مجھے اس جگہ اپنے خیالات کے اظہار کا موقع مل رہا ہے جہاں موجودہ دور میں سب سے پہلے اسلامی نظام تعلیم کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا اور سب سے پہلا قدم اس کی طرف اٹھایا گیا۔ اسی وجہ سے میں نے اس موقع کے لئے تعلیمی اصلاح ہی کے سوال کو اپنا موضوع بحث منتخب کر لیا ہے۔ میرے اس انتخاب میں ایک بڑا محرک یہ بھی ہے کہ اس وقت ہماری دینی درسگاہوں میں عموماً" اصلاح کے مسئلے پر گفتگو چھڑی ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضرورت کا احساس تو پیدا ہو گیا ہے مگر جس انداز سے یہ ساری گفتگو ہو رہی ہے، اس سے صاف عیاں ہے کہ اصلاح کی خواہش کرنے والے کے ذہن میں مسئلہ کی نوعیت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے۔ لوگ اس گمان میں ہیں کہ پرانی تعلیم میں خرابی صرف اتنی ہے کہ نصاب بہت پرانا ہو گیا ہے اور اس میں بعض علوم کا عنصر بعض علوم سے کم یا زیادہ ہے اور جدید زمانہ کے بعض ضروری علوم اس میں شامل نہیں ہیں، اس لئے اصلاح کی ساری بحث صرف اس حد تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے کہ کچھ کتابوں کو نصاب سے خارج کرکے دوسری کتابوں کو داخل کر دیا جائے۔ عناصر تعلیمی کے تناسب میں ترمیم کرکے بعض اجزاء گھٹائے اور بعض بڑھائے جائیں اور قدیم علوم کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، معاشیات اور سیاسیات وغیرہ علوم کی کچھ کتابیں طلبہ کو پڑھائی جائیں۔ ایسی ہی کچھ جزوی ترمیمات، طرز تعلیم اور انتظام مدارس میں بھی تجویز کی جاتی ہیں اور بہت زیادہ "روشن خیالی" پر جو لوگ اتر آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب ہر مولوی کو میٹرک تک

انگریزی پڑھا کر نکالو تاکہ کم از کم پڑھنے اور لکھنے کے قابل تو ہو جائے۔ لیکن یہ جدت جو آج دکھائی جا رہی ہے۔ یہ اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ اس کی عمر اتنی ہی ہے جتنی آپ کے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عمر ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پہلے سے کچھ زیادہ کامیاب قسم کے مولوی پیدا ہو جائیں' جو کچھ جرمنی اور امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس ذرا سی اصلاح کا نتیجہ یہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علمائے اسلام کے ہاتھ میں آجائیں' اور وہ دنیا جو آج آگ کی طرف چلانے والے ائمہ (Leaders) کے پیچھے چل رہی ہے۔ جنت کی طرف بلانے والے ائمہ کی رہبری قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ نتیجہ اگر حاصل کرنا مقصود ہو تو آپ کو مکمل انقلابی اصلاحات کے لئے تیار ہونا پڑے گا اور اس سارے نظام تعلیم کو ادھیڑ کر از سر نو ایک دوسرا ہی نظام تعلیم بنانا ہو گا۔ اس صحبت میں اس نئے نظام تعلیم کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

علم اور امامت کا رشتہ

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اس دنیا میں امامت و قیادت (Leadership) کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ کیا چیز ہے جس کی بناء پر کبھی مصر امام بنتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے' کبھی بابل امام بنتا ہے اور دنیا اس کی پیروی کرتی ہے' کبھی یونان امام بنتا ہے اور دنیا اس کا اتباع کرتی ہے' کبھی اسلام قبول کرنے والی اقوام امام بنتی ہیں اور دنیا ان کے نقش قدم پر ہو لیتی ہے' اور کبھی یورپ امام بنتا ہے اور دنیا اس کی تبع بن جاتی ہے؟ پھر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے' کل اس سے چھن کر دوسرے کی طرف چلی جاتی ہے اور پرسوں اس سے بھی سلب ہو کر تیسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے؟ کیا یہ محض ایک بے ضابطہ اتفاقی امر ہے یا اس کا کوئی ضابطہ اور اصل مقرر بھی ہے؟ اس مسئلہ پر جتنا زیادہ غور کیا جائے اس کا جواب یہی ملتا ہے کہ ہاں اس کا ضابطہ ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ امامت کا دامن

ہمیشہ علم سے وابستہ رہے گا۔ انسان کو بحیثیت ایک نوع کے زمین کی خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے۔ اس کو سمع' بصر اور فواد تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو دوسری مخلوقات ارضی کو یا تو نہیں دی گئیں یا اس کی بہ نسبت کمتر دی گئی ہیں' اس لئے وہ اس بات کا اہل ہوا کہ دوسری مخلوقات پر خداوند عالم کا خلیفہ بنایا جائے۔ اب خود اس نوع میں سے طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں اور گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا وہ اسی طرح ان سب کا امام بنے گا۔ جس طرح انسان من حیث النوع دوسری انواع ارضی پر اسی چیز کی وجہ سے خلیفہ بننے کا اہل ہوا ہے۔

تقسیم امامت کا ضابطہ

اس جواب سے خودبخود دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ علم سے مراد کیا ہے؟ اور اس میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کا مفہوم کیا ہے؟ اس مسئلہ کا حل سمع' بصر اور فواد ہی کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ کلام الٰہی میں تینوں لفظ مجرد سننے' دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرنا ہے۔ بصر سے مراد خود مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہنچانا ہے اور فواد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو مرتب کرکے نتائج اخذ کرنا ہے۔ یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ بر سبیل اطلاق اگر دیکھا جائے تو تمام انسان ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں اور اسی وجہ سے مخلوقات ارضی پر خلیفانہ تسلط ہر انسان کو حاصل ہے' ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھئے گا تو معلوم ہو گا کہ جو انسان انفرادی طور پر ان تینوں قوتوں سے کام لے رہے ہیں وہ پست اور مغلوب رہتے ہیں' انہیں تابع اور مطیع بن کر رہنا پڑتا ہے' ان کا کام پیچھے چلنا ہوتا ہے' بخلاف اس کے جو ان تینوں سے زیادہ کام لیتے ہیں وہ برتر و غالب ہوتے ہیں' متبوع اور مطاع بنتے ہیں' رہنمائی اور پیشوائی ان ہی کے حصے میں آتی ہے مگر امامت ملنے اور چھننے کا ضابطہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو اس سے بھی زیادہ

تفصیلی نگاہ ڈالنی ہو گی۔ اس تفصیلی نگاہ میں آپ کو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ ایک گروہ انسانوں کا امام اس وقت بنتا ہے جب وہ ایک طرف ان معلومات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جمع کرتا ہے جو ماضی اور حال کے انسانوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ دوسری طرف خود اپنے مشاہدے سے مزید معلومات فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے۔ تیسری طرف ان دونوں قسم کی معلومات کو مرتب کر کے ان سے نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر ان نتائج سے کام لیتا ہے۔ پہلے کی جو چیزیں غلط .... کم از کم اس کے اخذ کردہ نتائج کے لحاظ سے غلط ثابت ہوتی ہیں ان کی اصلاح کرتا ہے۔ پہلے کی جن چیزوں کا نقص کم از کم اس کے فہم کے لحاظ سے .... اس پر کھلتا ہے' ان کی تکمیل کرتا ہے اور جو نئی چیزیں علم میں آتی ہیں ان سے اپنی حد وسع تک زیادہ سے زیادہ کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صفات جب تک اس گروہ میں تمام دوسرے انسانی گروہوں سے زیادہ رہتی ہیں' وہی پوری نوع کا امام ہوتا ہے اور جو ان صفات کے اعتبار سے کم تر ہوتے ہیں ان کے لئے اللہ کی امٹ تقدیر یہ ہے کہ وہ اس کی اطاعت بھی کریں اور اتباع بھی' اگر قسمت کی یاوری نے اطاعت سے بچا بھی لیا تو ان کے لئے اتباع سے تو کوئی مفر نہیں ہوتا' خواہ جان بوجھ کر بالارادہ کریں' خواہ بے جانے بوجھے اضطراراً" کریں۔ اس دور عروج کے بعد جب اس گروہ کے زوال کا وقت آتا ہے تو وہ تھک کر اور اپنے کئے ہوئے کام کو کافی سمجھ کر مشاہدے سے مزید معلومات حاصل کرنے اور فواد سے مزید اخذ نتائج کی کوشش چھوڑ دیتا ہے اور اس کا تمام سرمایہ علمی صرف سمع سے حاصل شدہ معلومات تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اس کے لئے علم کے معنی صرف جاننے کے ہو جاتے ہیں کہ پہلے جو معلومات حاصل کی گئی تھیں اور جو نتائج اخذ کئے گئے تھے وہ کیا تھے۔ اب وہ غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ جو علم پہلے حاصل کیا جا چکا ہے وہ کافی ہے۔ اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ پہلے جو نتائج اخذ کئے جا چکے ہیں وہ صحیح ہیں۔ ان میں کسی اصلاح و ترقی کا موقع نہیں۔ پہلے جتنی تعمیر ہو چکی ہے وہ مکمل ہے۔ نہ اس میں ترمیم کی جا سکتی ہے اور نہ اس سے آگے مزید تعمیر ہی ممکن ہے۔ اس

مرحلہ پر پہنچ کر یہ گروہ خود امامت سے ہٹ جاتا ہے اور نہ ہٹنا چاہے تو زبردستی ہٹا دیا جاتا ہے۔ پھر جو دوسرا گروہ مزید اکتساب علم' مزید اخذ نتائج اور مزید تعمیر حیات کا عزم لے کر آگے بڑھتا ہے امامت و قیادت اس کا حصہ ہوتی ہے اور وہ صاحب جو پہلے امام تھے اب مقتدی بنتے ہیں جو پہلے مطاع و متبوع تھے اب مطیع و تابع بنتے ہیں جو پہلے جیتے جاگتے علم کے مالک اور استاد بنے ہوئے تھے اب عجائب خانہ آثار قدیمہ میں بھیج دیئے جاتے ہیں تاکہ بیٹھے علوم اوائل کی تشریح کرتے رہیں۔

موجودہ اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی نقص:

اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امامت خواہ وہ آگ کی طرف لے جانے والی ہو یا جنت کی طرف' بہرحال اس گروہ کا حصہ ہے جو سمع و بصر و فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے اور اس میں کوئی رو رعایت نہیں ہے۔ کوئی گروہ خدا شناس ہو یا نا خدا شناس' بہرحال وہ یہ شرط پوری کرے گا تو دنیا کا امام بن جائے گا اور نہ کرے گا تو مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی بننے سے نہ بچ سکے گا۔

آپ کو جس چیز نے امامت کے منصب سے ہٹایا اور ناخداشناس اہل مغرب کو اس پر لا بٹھایا' وہ دراصل یہی ضابطہ ہے۔ آپ کے ہاں مدت ہائے دراز سے علم کی جو حالت تھی اس میں بصر و فواد دونوں معطل تھے اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔ بخلاف اس کے .... ناخداشناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا اور اس نے سمع سے بھی آپ سے بڑھ کر کام لیا اور بصر و فواد کا کام پچھلی ڈھائی تین صدیوں میں تمام تر اسی نے انجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام بن گیا اور آپ مقتدی بن کر رہ گئے۔ آپ کی دینی تعلیم کے تمام مراکز ابھی تک اپنی اس غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا ہے۔ ان کے ہاں علم محض علوم اوائل کے پڑھانے تک محدود ہے۔

ندوہ اور ازہر نے اصلاح کی طرف قدم بڑھایا مگر اس کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ سمع کا دائرہ حال کی معلومات تک بڑھا دیا جائے۔ بصر اور فواد پھر بھی معطل ہی رہے۔ اس علم کا فائدہ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ گھٹیا قسم کے نہ سہی بڑھیا قسم کے مقتدی بن جائیں۔ امامت بہرحال آپ کو نہیں مل سکتی۔ اس وقت تک جتنی اصلاحی تجویزیں میری نظر سے گزری ہیں وہ سب کی سب بہتر مقتدی بنانے والی ہیں۔ امام بنانے والی کوئی تجویز ابھی تک نہیں سوچی گئی۔ حالانکہ دنیا کی واحد خدا شناس جماعت ہونے کی وجہ سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے آپ اس کو انجام نہیں دے سکتے۔ جب تک آپ ناخدا شناس لوگوں سے دنیا کی امامت کا منصب چھین کر خود اس پر قبضہ نہ کریں اور اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ مجرد سماعی علم پر قناعت کا خیال چھوڑ دیں اور بصر و فواد سے نہ صرف کام لیں بلکہ اس میں دنیا کے تمام گروہوں پر فوقیت لے جائیں۔

کس قسم کی اصلاح درکار ہے؟

یہ جو میں نے عرض کیا ہے کہ دنیا کی واحد خداشناس جماعت ہونے کی حیثیت سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس کو آپ انجام نہیں دے سکتے۔ جب تک یہ کام نہ کریں۔" یہ دراصل میری اس تمام بحث کا مرکزی نقطہ ہے اس لئے میں اس کی مزید تشریح کروں گا۔ اگر محض ایک انسانی گروہ ہونے کی حیثیت سے مطلقاً" امام بننے کا سوال ہو تب تو آپ کو کسی اصلاح' تعلیم یا تجدید نظام تعلیمی کی ضرورت نہیں۔ سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی یا مصر و ایران و ترکی کی سرکاری یونیورسٹیوں کے طرز تعلیم کے میدان میں پیش قدمی فرمایئے اور اسی قسم کی امامت کے لئے امیدوار بن جایئے جیسی اس وقت یورپ اور امریکہ کو حاصل ہے اور جس کے لئے اب جاپان مسابقت کر رہا ہے۔ مگر خداشناس گروہ ہونے کی حیثیت سے آپ کی یہ پوزیشن نہیں ہے۔ آپ کی یہ پوزیشن ہرگز نہیں ہے کہ آپ محض اپنے لئے امامت چاہتے ہوں'

خواہ وہ امامت داعیہ الی النار ہو یا داعیہ الی الجنتہ۔ یورپ سے آپ کا جھگڑا اس بات پر نہیں ہے کہ دنیا کا امام نہ رہے۔ اس کی جگہ آپ امام ہو جائیں۔ بلکہ اس سے آپ کا جھگڑا اصول اور مقصد کا جھگڑا ہے وہ ناخداشناسی بلکہ خدا سے بغاوت اور طغیان کی بنا پر دنیا کی امامت کر رہا ہے اور آگ کی طرف ساری دنیا کو لے جا رہا ہے۔ بخلاف اس کے آپ خداشناس گروہ انسانی ہیں۔ خدا کی اطاعت پر آپ کے مسلک کی بنیاد ہے۔ آپ کے ایمان کی رو سے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ نہ صرف خود آگ کے راستہ سے بچ کر جنت کے راستہ پر جائیں بلکہ دنیا کو بھی اسی راستہ پر چلائیں اور یہ فرض آپ انجام دے سکتے ہیں۔ جب تک کہ آپ اس سے امامت چھین کر خود امام نہ بنیں۔ یہاں سوال نسلی یا جغرافیائی نہیں خالص اصولی ہے۔ ناخداشناسی کی امامت اگر ترک یا ایرانی یا مصری یا ہندوستانی کی ہو تو وہ بھی اسی طرح مٹا دینے کے قابل ہے جس طرح فرنگی یا جاپانی کی۔ اور خداشناسی کی بنیاد پر جو امامت ہو وہی مطلوب ہے خواہ اس کے علمبردار ہندی ہوں یا فرنگی ہوں یا کوئی اور۔

ناخداشناس امامت کے نتائج

کسی امامت کے داعی الجنتہ یا داعی الی النار ہونے کا مدار اس کے خداشناس یا ناخداشناس ہونے پر ہے۔ جب کوئی ایسا گروہ جو خداشناس نہ ہو اپنے عمل اجتہاد کی بدولت دنیا کا امام بن جاتا ہے تو وہ تمام سمعی و بصری معلومات کو اس نقطہ نظر سے جمع کرتا ہے اور اسی نقطہ نظر کے مطابق انہیں مرتب کرتا ہے کہ کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے۔ انسان محض ایک غیر مسئول (Irresponsible) ہستی ہے۔ دنیا کی جو چیزیں اسکے لئے مسخر ہیں وہ سب اس کے ملک ہیں۔ جن سے کام لینے کا مقصد اور طریقہ متعین کرنے میں وہ خود مختار محض ہے اور اس کی تمام سعی و جہد کا منتہائے مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی خواہشات نفس کی خدمت کرے۔ معلومات کے اس اساس پر مرتب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکمت نظری اور حکمت عملی دونوں کا

نشوونما خدا پرستی کی بالکل مخالف سمت میں ہوتا ہے۔ یہی حکمت تمام دنیا کے قلوب و اذہان پر چھا جاتی ہے۔ اسی سے خالص مادہ پرستانہ اخلاقیات پیدا ہوتے ہیں' اسی پر انسان اور انسان کے درمیان تعلق کے تمام ضابطے بنتے ہیں۔ اسی کے مطابق انسان اپنی حاصل شدہ قوتوں کا مصرف متعین کرتا ہے اور فی الجملہ ساری انسانی زندگی کا بہاؤ اسی راستہ کی طرف چل پڑتا ہے جس کی آخری منزلوں پر پہنچ کر اس دنیا ہی سے عذاب جہنم کی ابتداء ہو جاتی ہے جیسا کہ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نا خداشناس حکمت جب تک دنیا کے افکار' اخلاق' تمدن ہر چیز پر چھائی رہتی ہے۔ خداشناسی کے نقطہ نظر اور اس اخلاق و تمدن' کے لئے جو اس نقطہ نظر پر مبنی ہو' زمین و آسمان کے درمیان کوئی جگہ نہیں رہتی' لوگوں کے سوچنے کا انداز اس کے خلاف ہوتا ہے۔ طبائع کی افتاد اور مزاجوں کی پسند اس کے خلاف ہوتی ہے۔ انسانی معلومات کی بگڑی ہوئی ترتیب اس کے خلاف شہادت دیتی ہے۔ اخلاق کے سارے اصول اور قدر و قیمت کے سارے معیار اس سے منحرف ہو جاتے ہیں' زندگی کے تمام ضابطے اور انسانی سعی و عمل کے سارے ہنگامے اس کو اپنے درمیان جگہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں اور اس صورتحال میں صرف یہی نہیں ہوتا کہ خدا پرستی کے مسلک کی ہر چیز دنیا میں نامقبول اور نامعقول ہو کر رہ جاتی ہے' بلکہ خود وہ لوگ جو اس مسلک کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں فی الواقع اس کی پیروی نہیں کر سکتے۔ زندگی کے دریا کا بہاؤ زبردستی کھینچ کر ان کو اپنے راستے پر لے جاتا ہے اور اس کے خلاف زیادہ سے زیادہ کش مکش وہ بس اتنی ہی کر سکتے ہیں کہ سر کے بل بہنے کے بجائے احتجاجاً" پاؤں کے بل بہیں۔

جو گروہ خیالات کے میدان میں امام بنتا ہے اور کائنات فطرت کی طاقتوں کو اپنے علم سے مسخر کر کے ان سے کام لیتا ہے۔ اس کی امامت صرف خیالات ہی کے عالم تک محدود نہیں رہتی بلکہ زندگی کے پورے دائرے پر چھا جاتی ہے۔ زمین پر اس کا تسلط ہوتا ہے۔ رزق کی کنجیاں اس کے قبضہ میں ہوتی ہیں۔ حاکمانہ اختیارات اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے انسانی حیات اجتماعی کا سارا کاروبار اس ڈھنگ اور اس نقشے پر چلنے

لگتا ہے جس پر وہ گروہ اپنی ذہنیت اور اپنے زاویہ نظر کے مطابق اسے چلانا چاہتا ہے۔
اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ گروہ جس کو یہ تسلط دنیا اور اس کے معاملات پر حاصل ہے' خدا سے پھرا ہوا ہو تو اس حیطہ اقتدار میں رہتے ہوئے کوئی ایسا گروہ پنپ نہیں سکتا جو خدا کی طرف پھرنا چاہتا ہو۔ جس گاڑی میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اگر اس کا ڈرائیور اسے کلکتے کی طرف لے جا رہا ہو تو آپ کراچی کی طرف جا ہی کب سکتے ہیں۔ چار وناچار آپ کو اسی طرف جانا پڑے گا جدھر ڈرائیور جانا چاہتا ہے۔ آپ بہت کڑیں گے تو اتنا کرلیں گے کہ اسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے اپنا رخ کلکتے سے کراچی کی طرف پھیر لیں اور برضا و رغبت نہ سہی کشاں کشاں اس منزل پر جا پہنچیں جو آپ کی منزل مقصود کے عین مخالف سمت میں واقع ہے۔

موجودہ صورت حال

یہی صورت حال فی الواقع اس وقت در پیش ہے۔ آپ کے امامت سے ہٹنے کے بعد یورپ نے علم کے میدان میں پیش قدمی کی تو ناگزیر اسباب نے اس کی نگاہ کا زاویہ خدا سے بیزاری (Theophobia) کی طرف پھیر دیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے تمام سمعی معلومات کو جمع کیا' اسی نقطہ نظر سے اس نے آثار کائنات کا مشاہدہ کیا۔ اسی نقطہ نظر سے اس نے معلومات کو مرتب کر کے نتائج اخذ کیے۔

اسی نقطہ نظر سے اس نے زندگی کے مقاصد' اخلاق کے اصول' تمدن کے ضوابط اور انفرادی و اجتماعی برتاؤ کے ڈھنگ متعین کیے اور اسی نقطہ نظر سے اس نے تمام قوتوں کے مصرف تجویز کیے جو اسے تحقیق و اجتہاد کی بدولت حاصل ہوئی تھیں۔ پھر جب اس علم کے زور پر وہ اٹھا تو ایک طرف زمینیں کی زمینیں اور قومیں کی قومیں اس کے آگے مسخر ہوتی چلی گئیں اور دوسری طرف وہی علم' وہی ذہنیت' وہی مقاصد' وہی فکری ساخت' وہی اخلاقی روش' وہی تمدنی قواعد و ضوابط' غرض وہی سب کچھ جو اس امام غالب کے پاس تھا تمام دنیا پر چھا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ ایک بچہ جب سے ہوش

سنبھالتا ہے اسی وقت سے اس کے ذہن اور اس کی زندگی کی تعمیر اس نقشہ پر ہونے لگتی ہے جو یورپ کی امامت نے بنایا ہے۔ سمعی معلومات اسی ترتیب سے اس کے دماغ میں اترتی ہیں۔ مشاہدے کے لئے وہی نقطہ نظر اسے ملتا ہے۔ نتائج اخذ کرنے کی ساری تربیت اسی طرز پر اسے حاصل ہوتی ہے۔ حق و باطل' صحیح و غلط' مقبول اور مردود کی تعیین کے لئے وہی معیار اسے میسر آتا ہے' اخلاق کے وہی اصول' زندگی کے وہی مقاصد اور سعی و عمل کے وہی راستے اس کے سامنے روشن ہوتے ہیں' اپنے گرد و پیش زندگی کا سارا کارخانہ اسی ڈھنگ پر اسے چلتا ہوا ملتا ہے اور جب وہ اس طرح پروان چڑھنے کے بعد کارگاہ حیات میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوتا ہے تو چونکہ یہی ایک مشین دنیا میں چل رہی ہے اور کوئی دوسری مشین چلنے والی موجود نہیں ہے اس لئے اسی کا پرزہ اس کو بن جانا پڑتا ہے۔ ناخدا شناس تہذیب و تمدن کے اس کامل تسلط میں اول تو یہی سخت مشکل ہے کہ خدا پرستانہ نظریہ حیات' مقصد زندگی اور اصول اخلاق کو دلوں اور دماغوں میں راہ مل سکے کیونکہ علوم و فنون کی ساری ترتیب اور زندگی کی روش اس کے بالکل برعکس سمت میں پھری ہوئی ہے لیکن اگر کچھ لوگ ایسے بھی نکل آئیں جن کے ذہن میں یہ تخم جڑ پکڑ لے تب بھی گردوپیش کی پوری فضا اس کو غذا دینے سے انکار کر دیتی ہے اس کو نہ کہیں علوم سے تائید ملتی ہے' نہ زندگی کے بنے اور جمے ہوئے نقشے اس کا ساتھ دیتے ہیں' نہ دنیا کے چلتے ہوئے معاملات ہی میں کہیں اس کی جگہ نظر آتی ہے۔ جس قدر معلومات گزشتہ پانچ سو برس کی مدت میں انسان کو حاصل ہوئی ہیں' ان کو مرتب کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کا سارا کام ناخداشناس لوگوں نے کیا ہے۔ خدا پرستی کے نقطہ نظر سے ان کی ترتیب کا اور اخذ نتائج کا کوئی کام ہوا ہی نہیں۔ فطرت کی جو طاقتیں اس دوران میں انسان کے لئے مسخر ہوئیں اور قوانین طبیعی کی مزید دریافت سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ ان سے بھی خدا پرستوں نے نہیں بلکہ خدا کے باغیوں نے کام لیا۔ اس لئے ناگزیر تھا کہ تمدن انسانی میں ان سب کا مصرف وہی مقرر ہوتا جو ان کے مقاصد زندگی اور اصول اخلاق کے

مناسب حال تھا۔ اسی طرح اجتماعی معاملات کی تنظیم کے جتنے فطری خاکے اور عملی طریقے اس دوران میں سوچے اور عملاً چلائے گئے ان سب کے سوچنے اور چلانے والے وہ دماغ اور وہ ہاتھ نہ تھے جن پر خدا پرستی کا مسلک کارفرما ہوتا بلکہ وہ تھے جو خدا کی اطاعت سے منحرف تھے اس لئے نظریات اور عملیات کے میدان پر آج سارے کے سارے وہی نقشے چھائے ہوئے ہیں جو انہوں نے بنائے ہیں اور ایسا کوئی نقشہ جو خدا پرستانہ مسلک کی بنیاد پر بنا ہو تو کیا موجود ہوتا' نظریہ کی شکل میں بھی ایسی ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں ہے جو آج کے حالات سے ربط رکھتا ہو اور جس میں آج کے مسائل حیات کا پورا پورا حل مل سکے۔ اب اگر اس مسلک پر اعتقاد رکھنے والا کوئی شخص راہب بن کر دنیا اور اس کی زندگی سے الگ تھلگ کسی گوشے میں جا بیٹھے اور پانچ سو برس پہلے کی فضا اپنے اوپر طاری کر لے تب تو بات دوسری ہے۔ ورنہ اس دنیا کے معاملات میں ایک زندہ انسان کی حیثیت سے حصہ لینے کی صورت میں تو قدم قدم پر اس کے لئے مشکلات ہی مشکلات ہیں اپنے مسلک میں نیک نیت اور صحیح الاعتقاد ہونے کے باوجود بارہا وہ دانستہ ان فکری اور عملی راہوں پر چل پڑتا ہے جو اس کے مسلک سے بالکل مختلف ہیں۔ نئی معلومات جب اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے کہ حقائق (Facts) کو ان ناخداشناس لوگوں کے نقطہ نظر اور اخذ کردہ نتائج سے الگ کر سکے جنہوں نے ان کی دریافت ترتیب اور استنتاج کا سارا کام انجام دیا ہے۔ اس لئے اکثر وہ اس طرح حقائق کے ساتھ ان کے نظریات اور نتائج کو بھی ہضم کر جاتا ہے کہ اسے اس امر کا شعور تک نہیں ہوتا کہ امرت کے ساتھ کتنا زہر اس کے اندر اتر گیا۔ اسی طرح زندگی کے معاملات سے جب اس کو واسطہ پیش آتا ہے تو وہ سخت مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ کون سی راہ اختیار کرے۔ بہت سے اجتماعی نظریات جو فی الاصل اس کے مسلک کے خلاف ہیں' اس کے دل و دماغ پر زبردستی چھا جاتے ہیں کیونکہ دنیا میں ہر طرف چلن ہی ان کا ہے۔ بہت سے عملی طریقوں کو غلط سمجھنے کے باوجود محض اس بنا پر وہ اختیار کرتا ہے کہ ان سے ہٹ کر وہ کوئی دوسری راہ

سوچ نہیں سکتا اور بہت سی غلط راہوں پر اسے مجبوراً چلنا پڑتا ہے کہ ان پر چلے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

انقلاب امامت کے لئے انقلاب تعلیم ناگزیر ہے

حضرات یہ ہے وہ صورت حال جس میں اس وقت آپ مبتلا ہیں۔ میں نے اس صورت حال کا جو تجزیہ کیا ہے اگر اس میں کوئی غلطی آپ پاتے ہیں تو براہ کرم مجھے بھی اس سے آگاہ کریں تاکہ اس پر نظر ثانی کر سکوں لیکن اگر یہ تجزیہ صحیح ہے تو اس سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

اولاً: ناخدا شناس ائمہ کی امامت میں رہ کر خدا شناسی و خدا پرستی کا مسلک زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا جو کوئی اس مسلک پر اعتقاد رکھتا ہو اس کے عین ایمان و اعتقاد کا اقتضا یہ ہے کہ اس امامت کو مٹانے اور خدا شناس امامت کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ثانیاً: جو نظام تعلیم محض پرانے سمعی علوم کی حد تک محدود ہے۔ اس میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ امامت میں اتنا بڑا انقلاب کرنے کے لئے آپ کو تیار کر سکے۔ لہٰذا اگر آپ اس پر راضی ہوں کہ خدا پرستی کا مسلک بتدریج مٹتے مٹتے دنیا سے فنا ہو جائے تب تو شوق سے اس نظام تعلیم پر جمے رہیں ورنہ اسے آپ کو بدلنا ہو گا۔

ثالثاً: جو نظام تعلیم تمام علوم کو اسی ترتیب اور اسی زاویہ نظر سے لیتا ہے جو خدا ناشناس ائمہ کی ترتیب اور ان کا زاویہ نظر ہے اور جو اس تمدنی مشین کا پرزہ بننے کے لئے انسانوں کو تیار کرتا ہے جو ائمہ ضلال نے بنائی ہے' وہ دراصل ارتداد کا مجرب نسخہ ہے اس سے بڑھ کر کوئی فریب نہیں ہو سکتا کہ اس نوعیت کی کسی تعلیم گاہ پر مسلم یونیورسٹی یا اسلامیہ کالج یا اسلامیہ ہائی اسکول کے الفاظ کا اطلاق کیا جائے اور اس تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے جوڑ

رہا وہ فیصدی تو بالکل ہی لا حاصل ہے اور وہ فیصدی فائدہ اگر اس سے حاصل ہو بھی سکتا ہے تو وہ بیش ازیں نیست کہ لوگ کچھ مدت تک کفر کے راستے پر خدا کا نام لیتے ہوئے چلتے رہیں۔

رابعاً: اصلاح تعلیم کا یہ لائحہ کہ علوم اسلامی کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے یہ بھی امامت میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے آپ کو تیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ فلسفہ، سائنس، تاریخ، سیاست، معاشیات، اور دوسرے علوم جو اس وقت مدون و مرتب صورت میں آپ کو ملتے ہیں وہ سب کے سب ناخداشناس لوگوں کی فکر و تحقیق کا نتیجہ ہیں اور ان کی ترتیب و تدوین میں اس گروہ کا نقطہ نظر اس طرح پیوست ہے کہ حقائق واقعہ کو نظریات اور اوہام و تعصبات اور اہوا و رجحانات سے الگ چھانٹ لینا اور خدا پرستی کے نقطہ نظر سے ان کو بطور خود مرتب کر کے دوسرے نظریات قائم کرنا نہ ہر طالب علم کے بس کی بات ہے نہ ہر استاد کے بس کی۔ اب اگر آپ ایک طرف پرانے علوم کو پرانی ترتیب کے ساتھ اور نئے علوم کو اس خاص ترتیب کے ساتھ جو اس وقت پائی جاتی ہے، ملا کر پڑھائیں گے تو ان دو متضاد طاقتوں کے میل سے عجیب و غریب قسم کے مرکبات پیدا ہوں گے، کوئی پرانے علوم سے مغلوب ہو گا تو مولوی بن جائے گا، کوئی نئے علوم سے مفتوح ہو گا تو مسٹریت کی طرف چلا جائے گا بلکہ "کامریڈیت" تک جا پہنچے گا، کوئی دونوں کے درمیان مذبذب ہو کر معطل ہو جائے گا۔ بہت ہی کم آدمی اس نظام تعلیمی سے ایسے نکل سکتے ہیں جو دونوں قسم کے علوم کو جوڑ کر کوئی صحیح مرکب بنا سکیں اور ان کا بھی اس قدر طاقت ور ہونا بہت مشکل ہے کہ اٹھ کر خیالات اور زندگی کے دھارے کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دیں۔

یہ نتائج جو میں نے حالات کے تجزیہ سے اخذ کئے ہیں اگر ان میں سے کوئی غلطی ہو تو میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس سے آگاہ فرمائیں، لیکن اگر نتائج کو بھی آپ تسلیم کرتے ہیں تو اب میں کہتا ہوں کہ امامت میں انقلاب

کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تینوں نظامات تعلیمی سے ہٹ کر
ایک بالکل نیا نظام تعلیم بنایا جائے جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی
مدارج تک تینوں سے مختلف ہو۔

نئے نظام تعلیم کا خاکہ

اس انقلابی اصلاح کی ضرورت ثابت کرنے کے بعد میں اس نظام تعلیم کا ایک خاکہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

پہلی خصوصیت:

سب سے پہلی چیز جو اس نئے نظام میں ہونی چاہئے' وہ یہ ہے کہ دینی اور دنیوی علوم کی انفرادیت مٹا کر دونوں کو ایک جان کر دیا جائے۔

علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علیحدگی کے تصور پر مبنی ہے اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کو اس نقطہ نظر سے دیکھنا کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں' اور دنیوی زندگی میں ہر طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کے مطابق ہو' اسی چیز کا نام دین ہے۔ اس تصور دین کا اقتضا یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے ورنہ اگر کچھ علوم دنیوی ہوں اور وہ خدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی رہیں اور کچھ علوم دینی ہوں اور وہ دنیوی علوم سے الگ پڑھائے جائیں تو ایک بچہ شروع ہی سے اس ذہنیت کے ساتھ پرورش پائے گا کہ دنیا کسی اور چیز کا نام ہے اور دین کسی اور چیز کا۔ اس لئے یہ دونوں دو مختلف عنصر ہوں گے اور ان کے درمیان توافق پیدا کرکے ایک ایسی ہموار زندگی بنانا اس کے لئے مشکل ہو گا جو ادخلوا فی السلم کآفتہ کی مصداق ہو سکے۔

مثال کے طور پر اگر آپ تاریخ' جغرافیہ' طبیعات' کیمیا' حیاتیات (Biology)

حیوانیات (Zoology) ارضیات (Geology) ریاضی ہیئت (Astronomy) معاشیات (Economics) سیاسیات اور دوسرے تمام علوم ایک شخص کو اس طرح پڑھاتے ہیں کہ اول سے آخر تک کسی جگہ خدا کا نام نہیں آتا' نہ آفاق و انفس کے آثار پر اس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے کہ یہ آیات الٰہی ہیں' نہ قوانین طبیعی کا ذکر اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ یہ ایک حکیم کے بنائے ہوئے قوانین ہیں' نہ واقعات کی توجیہہ اس حیثیت سے کی جاتی ہے کہ ان میں کسی قادر و توانا کا ارادہ کام کر رہا ہے۔ نہ عملی علوم میں اس مقصد کا کہیں نشان پایا جاتا ہے کہ ان سے خدا کی رضا کے مطابق کام لینا ہے نہ معاملات زندگی کی بحث میں اس ضابطہ کا کہیں بیان آتا ہے جو ان کو چلانے کے لئے خدا نے بنایا ہے نہ سرگزشت حیات میں اس کے الٰہی مبداء و غایت کی بحث کسی جگہ آتی ہے تو علوم کے اس پورے مجموعہ سے اس کے ذہن میں دنیا اور اس کی زندگی کا جو تصور پیدا ہو گا وہ خدا کے تصور سے بالکل خالی ہو گا' ہر چیز سے اس کا تعارف خدا کے بغیر ہو گا اور ہر معاملہ میں وہ اپنا راستہ خدا اور اس کی رضا سے الگ بنائے گا۔ پھر جب تمام شعبوں سے یہ نقطہ نظر اور معلومات کی یہ ترتیب لئے ہوئے ایک شعبہ میں جا کر وہ الگ سے خدا کا ذکر سنے گا اور ان مقاصد زندگی اور ان قوانین اخلاقی اور ان ضوابط شرعی کی تعلیم حاصل کرے گا جنہیں آپ دینیات کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ اس نقشہ میں خدا کو اور اس سے تعلق رکھنے والی ان ساری چیزوں کو کہاں جگہ دوں پہلے تو اسے خدا کی ہستی کا ثبوت درکار ہو گا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت مانگے گا کہ مجھے اس کی ہدایت درکار بھی ہے اور اس کے پاس سے ہدایت آئی بھی ہے یا نہیں؟ اور ان سب باتوں کے بعد بھی اس کے لئے اپنی دنیوی معلومات کو اس نئی چیز کے ساتھ یک جان کر کے ہم رنگ نقشہ بنانا مشکل ہو گا۔ وہ خواہ کتنا ہی پختہ ایمان لے آئے مگر بہرحال اس کے لئے دین عین اس کی زندگی نہ ہو گا بلکہ زندگی کا ایک ضمیمہ ہی بن کر رہ جائے گا۔

یہ ساری خرابی دینی اور دنیوی علوم کی تقسیم کا نتیجہ ہے اور جیسا کہ میں ابھی

عرض کر چکا ہوں، یہ تقسیم بالکل اسلامی نقطہ نظر کے خلاف ہے، نئے نظام تعلیم میں دینیات کے الگ کورس کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سارے کورس کو دینیات کے کورس میں تبدیل کر دینا چاہئے۔ شروع ہی سے ایک بچہ کو دنیا سے اس طرح روشناس کرایئے کہ گویا وہ خدا کی سلطنت میں ہے اس کے اپنے وجود میں اور تمام آفاق میں خدا کی آیات پھیلی ہوئی ہیں، ہر چیز میں وہ خدا کی حکمت اور قدرت کے آثار دیکھ رہا ہے، اس کا اور ہر شے کا براہ راست تعلق خداوند عالم سے ہے جو آسمانوں سے زمین تک تمام معاملات دنیا کی تدبیر کر رہا ہے۔ دنیا میں جتنی قوتیں اس کو حاصل ہیں اور جو اشیاء اس کے لئے مسخر ہیں سب کی سب خدا نے اس کو دی ہیں۔ ان سب سے خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اسے کام لیتا ہے اور اپنے اس کام کی جواب دہی خدا کے سامنے اس کو کرنی ہے۔

ابتدائی مراحل میں تو کوئی دوسرا نقطہ نظر طالب علم کے سامنے آنا ہی نہیں چاہئے البتہ بعد کے مراحل میں تمام علوم اس کے سامنے اس طرح آنے چاہیں کہ معلومات کی ترتیب، حقائق کی توجیہہ اور واقعات کی تعبیر تو بالکلیہ اسلامی نقطہ نظر سے ہو، مگر اس کے مخالف تمام دوسرے نظریات بھی پوری تنقید و تنقیح کے ساتھ اس حیثیت سے اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں کہ یہ ضالین اور مغضوب علیھم کے نظریات ہیں۔ اسی طرح عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے جملہ علوم کی بنیاد میں تو مقصد حیات، اصول اخلاق، اور مناہج عمل اسلام کے پیوست کئے جائیں اور دوسروں کے اصول اور طریقے اس حیثیت سے طالب علم کو پڑھائے جائیں کہ ان کی فکری اساس، منزل مقصود اور راہ عمل اسلام سے کتنی اور کس کس پہلو سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ ہے تمام علوم کو دینی علوم میں تبدیل کرنے کا اور جب اس طریقہ سے تعلیم دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں دینیات کے لئے کسی علیحدہ کورس کی کوئی حاجت ہی پیش نہیں آ سکتی۔

دوسری خصوصیت:

دوسری اہم خصوصیت جو اس نظام تعلیم میں ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس میں ہر طالب علم کو مجموعہ علوم بنانے اور تکمیل کے بعد ہر ایک کو "مولانا" اور ہر ایک کو جملہ مسائل میں فتویٰ کا مجاز قرار دینے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج ہے ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ اختصاصی تعلیم کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو سالہا سال کے تجربات کے بعد دنیا میں مفید پایا گیا ہے۔ انسان کا علم اب اتنی ترقی کر چکا ہے اور اتنے شعبے اس میں پیدا ہو گئے ہیں کہ کسی ایک شخص کا ان سب کو پڑھنا محال ہے اور اگر تمام علوم میں محض معمولی سی شد بد اسے کرا دی جائے وہ کسی شعبہ علم میں بھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بجائے بہتر یہ ہے کہ پہلے آٹھ یا دس سال کا کورس ایسا رکھا جائے کہ ایک بچے کو دنیا اور انسان اور زندگی کے متعلق جتنی معلومات کم سے کم حاصل ہونی ضروری ہیں وہ اس کو خالص اسلامی نقطہ نظر سے دے دی جائیں۔ اس کے ذہن میں کائنات کا وہ تصور بیٹھ جائے جو مسلمان کا تصور ہونا چاہئے۔ زندگی کا وہ خاکہ جم جائے جو ایک مسلمان کی زندگی ہونی چاہئے۔ عملی زندگی کے متعلق وہ تمام معلومات اسے حاصل ہو جائیں جن کی ایک آدمی کو ضرورت ہوتی ہے اور وہ ان سب چیزوں کو ایک مسلمان کے طریقے پر برتنے کے لئے تیار ہو جائے، اسے اپنی مادری زبان بھی آجائے، عربی زبان بھی وہ اتنی جان لے کہ آگے مزید مطالعہ میں اسے مدد مل سکے اور کسی ایک یورپین زبان سے بھی واقف ہو جائے تاکہ معلومات کے اس وسیع ذخیرے سے فائدہ اٹھا سکے جو ان زبانوں میں موجود ہے۔ اس کے بعد اختصاصی تعلیم کے الگ کورس ہوں جن میں چھ سات سال کی محققانہ تربیت حاصل کر کے ایک طالب علم اس شعبہ علم کا ڈاکٹر قرار دیا جائے جس کی تعلیم اس نے حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر میں چند شعبوں اور ان کے طریق تعلیم کی تشریح کروں گا جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ میرے ذہن میں اس اختصاصی تعلیم کا کیا نقشہ ہے۔

ایک شعبہ فلسفہ اور علوم عقلیہ کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔ اس شعبہ میں

طالب علم کو پہلے قرآن کا علم پڑھایا جائے' تا کہ اس ذریعے سے وہ معلوم کرے کہ انسانی حواس سے جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں ان کی تہہ میں حقائق کی جستجو کرنے کی کیا سبیل ہے۔ عقل انسانی کی رسائی کہاں تک ہے اور کن حدود سے وہ محدود ہے۔ مجرد استدلال پر تخیلات کی عمارت کھڑی کرنے میں کس طرح انسان واقعات اور حقیقت کی دنیا سے الگ ہو کر خیالات کی تاریک دنیا میں گم ہو جاتا ہے۔ مابعدالطبیعی امور کے متعلق کتنا علم انسان کے لئے فی الواقع ضروری ہے۔ اس ضروری علم تک پہنچنے کے لئے مشاہدہ (Observation) اور استقرا (Induction) سے کس طرح کام لینا چاہئے۔ کن امور مابعد الطبیعی کا تعین ہم کر سکتے ہیں۔ کن کے متعلق ایک مجمل اور مطلق حکم سے آگے ہم نہیں بڑھ سکتے اور کہاں پہنچ کر اجمال کو تفصیل سے بدلنے یا اطلاق کو تقلید میں تبدیل کرنے کی کوشش نہ صرف بے بنیاد ہو جاتی ہے بلکہ انسان کو تخیلات لا طائل کی بھول بھلیوں میں بھٹکا دیتی ہے۔ اس بنیاد کو مستحکم کر لینے کے بعد طالب علم کو تاریخ فلسفہ کا مطالعہ کرایا جائے اور یہاں قرآنی فلسفہ کی مدد سے اس کو تمام مذاہب فلسفہ کی سیر کرا دی جائے تا کہ وہ خود دیکھ لے کہ حقائق تک پہنچنے کے جو ذرائع انسان کو دیئے گئے تھے ان سے کام نہ لے کر یا ان سے غلط طریقہ پر کام لے کر کس طرح انسان بھٹکتا رہا ہے۔ کس طرح اس نے اوہام کی حقیقت کو سمجھا ہے اور اس سے کس طرح اس نے اپنی پہنچ سے ماورا چیزوں کے متعلق رجما " بالغیب کا حکم لگایا اور اس کے کیا اثرات زندگی پر مرتب ہوئے۔ کس طرح اس نے اپنے حواس اور اپنی عقل کی حدود کا تعین کئے بغیر ان حقیقتوں کا تعین کرنے میں اپنا وقت ضائع کیا جن کا تعین اس کے بس کی چیز ہی نہ تھا۔ کہاں ہندو فلسفیوں نے ٹھوکر کھائی' کہاں سے یونانی فلسفہ بھٹکا' کدھر مسلمان فلاسفہ قرآن کی بتائی ہوئی راہوں سے ہٹ کر نکل گئے' متکلمین کے مختلف اسکولوں نے صدیوں تک جن مسائل پر بحثیں کیں' ان میں قرآن کی رہنمائی سے کہاں کہاں اور کتنا کتنا تجاوز تھا۔ فلسفیانہ تصوف کے مختلف مذاہب نے مجمل اور مفصل اور مطلق کو مقید بنانے کی کس طرح کوششیں کیں اور وہ کس قدر

غلط تھیں۔ یورپ میں فلسفیانہ تفکر نے کیا کیا راہیں اختیار کیں' ایک ہی حقیقت کی جستجو میں کتنے مذہب بن گئے' ان مختلف مذاہب میں میں حق کتنا ہے اور باطل کی آمیزش کتنی ہوئی۔اور کن راہوں سے آئی' کون سے مابعد الطبیعی تصوارات ہیں جنہوں نے یورپ کی جڑ پکڑلی ہے۔ ان سے اخلاق و اعمال پر کیا اثرات مترتب ہوئے ہیں اور اگر کتاب اللہ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا جاتا تو فضول دماغی کاوشوں میں وقت ضائع کرنے اور غلط بنیادوں پر زندگی کی تعمیر کرنے سے کس طرح دنیا بچ سکتی تھی۔ اس تمام مطالعہ کے بعد طالب علم اپنی تحقیق کے نتائج مرتب کرے اور جب اہل علم کی جرح و تنقید کے بعد وہ اپنا کامل الفن ہونا ثابت کر دے تو اس کو فلسفہ میں فضیلت کی سند دے کر چھوڑ دیا جائے۔

ایک تیسرا شعبہ تاریخ کا ہونا چاہئے جس میں قرآن کا فلسفہ' تاریخ' مقصد مطالعہ تاریخ' اور طرز مطالعہ تاریخ طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے تاکہ اس کے قلب سے تمام تعصبات نکل جائیں۔ وہ حقائق کو بے رنگ نگاہ سے دیکھنے اور ان سے بے لاگ نتائج اخذ کرنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ نوع انسان کی سرگزشت اور تہذیب انسانی کی نشوو ارتقاء کا مطالعہ کرکے انسان کی فلاح و خسران اور سعادت و شقاوت اور عروج و زوال کے مستقل اصول مستنبط کرے۔ مداولت ایام بین الناس جس ڈھنگ پر اور جس ضابطہ کے مطابق ہوتی ہے اسے معلوم کرے' جو اوصاف انسان کو اوپر اٹھاتے ہیں اور جو اسے نیچے گرا دیتے ہیں ان سے واقف ہو اور خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے کہ کس طرح فطرت کا ایک خط مستقیم ابتداء سے آج تک سیدھا کھنچا ہوا نظر آتا ہے' جو انسان کی ترقی کا اصلی راستہ ہے۔ اس خط سے ہٹ کر جو بھی دائیں یا بائیں جانب دور نکل گیا اسے یا تو تھپیڑ کھا کر اسی کی طرف پلٹنا پڑا ورنہ پھر ایسا پھینکا گیا کہ اس کا پتہ نشان نہ ملا۔ اس طرز معاملہ سے جب طالب علم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کا قانون کس قدر بے لاگ ہے اور کیسی غیر جانبداری کے ساتھ اس نے قوموں سے معاملہ کیا ہے تو کوئی قوم بھی اس کی چہیتی رہے گی اور نہ کسی کے خلاف اس کے

دل میں نفسیاتی عداوت کا جذبہ رہے گا۔ جس قوم کے کارنامے پر بھی وہ نظر ڈالے گا بے لاگ طریقہ پر ڈالے گا اور فلاح و خسران کے ابدی اصولوں کی کسوٹی پر کس کر کھرے کو الگ اور کھوٹے کو الگ کرکے سامنے رکھ دے گا۔ اس تربیت ذہنی کے بعد اسے تاریخی دستاویزوں میں آثار قدیمہ اور ماخذ اصلیہ سے بطور خود نتائج اخذ کرنے کی مشق کرائی جائے اور اتنا تیار کر دیا جائے کہ وہ جاہلی مورخین کے چڑھائے ہوئے ردوں سے اصل حقائق کو الگ کرکے خود بے لاگ رائیں قائم کر سکے۔

ایک اور شعبہ علوم عمران (Social Sciences) کا ہونا چاہئے۔ جس میں پہلے قرآن اور حدیث سے انسانی تمدن کے بنیادی اصول بتائے جائیں۔ پھر تفصیل کے ساتھ اصول سے فروع کا استنباط کرکے اور انبیاء کی رہنمائی میں جو تمدن بنے تھے ان کے نظائر سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ ان قواعد اصلیہ (Fundamental Principle) پر کس طرح ایک صالح نظام معاشرت، نظام معیشت، نظام سیاست، تدبیر مملکت اور تعلقات بین الاقوامی کی عمارت اٹھتی ہے۔ پھر یہ بتایا جائے کہ کس طرح ان ہی اصولوں پر اس عمارت کی مزید توسیع ہو سکتی ہے اور اجتہاد سے توسیع کا نقشہ مرتب کرنے کا کیا طریقہ ہے اور انسانی علم کی ترقی سے جو نئی قوتیں دریافت ہوتی ہیں اور تمدن کے فطری نشوونما سے جو نئے طرز عمل پیدا ہوتے ہیں، ان سب کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس صالح تمدن میں جذب کرنے اور اپنے اپنے ٹھیک مقام پر رکھنے کی کیا صورت ہے۔ اس کے علاوہ ایک طرف طالب علم کو پچھلی قوموں اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کا مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ دیکھے کہ تمدن کے ان اساسی اصول اور الٰہی حدود کے قریب رہنے اور ان سے انحراف کرنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اسے دور جدید کے سیاسی، معاشی، اجتماعی نظریات و عملیات کا تنقیدی مطالعہ کرایا جائے تاکہ وہ یہ بھی دیکھ لے کہ انسان نے الٰہی ہدایت سے بے نیاز ہو کر بطور خود اپنی زندگی کے لئے جو راستے تجویز کئے ہیں وہ کہاں تک اس کے لئے موجب سعادت و شقاوت ہیں۔

سائنس کی مختلف شاخوں کے لئے چند شعبے علیحدہ ہونے چاہیں جن میں قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اب تک کی جمع شدہ سائنٹیفک معلومات کا جائزہ لیا جائے بلکہ آثار فطرت کے مزید مشاہدہ اور قوانین فطرت کی مزید دریافت کا کام بھی انہی خطوط پر کیا جائے جو قرآن نے کھینچ دیئے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب سائنس کی کتاب نہیں ہے نہ اس کے موضوع کا براہ راست سائنس سے کوئی تعلق ہے لیکن چونکہ یہ اسی مصنف کی تصنیف ہے جس نے کائنات کو تصنیف کیا ہے اور وہ مصنف اپنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں جگہ جگہ استدلال و استشہاد کا کام لیتا ہے۔ اس لئے اس کے گہرے مطالعہ سے سائنس کے ایک طالبعلم کو نہ صرف نظام کائنات کا بنیادی فارمولا

معلوم ہو جاتا ہے بلکہ قریب قریب ہر شعبہ میں اسے ایک نقطہ صحیح آغاز (Starting Piont) اور تلاش و تجسس کے لئے ایک صحیح رخ (Direction) بھی ملتا ہے یہ وہ شاہ کلید (Master Key) ہے جس سے تحقیق کا سیدھا راستہ کھل جاتا ہے۔ جس کی مشکل کشائی سے اگر آدمی کام لے تو اس کا بہت سا وقت گتھیوں کے سلجھانے اور سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ جانے میں ضائع نہ ہو۔ موجودہ سائنس کی گمراہی میں ایک بڑا سبب یہ ہے کہ حقائق واقعیہ کے مشاہدے کی حد تک تو ٹھیک رہتا ہے مگر جب حقائق کو جوڑ کر ان سے نظریات بناتا ہے تو کائنات فطرت کے مبداء وغایت سے ناواقف ہونے کے باعث ٹھوکریں کھاتا جاتا ہے اور اس سے نہ صرف بہت سی انسانی قوت فضول ضائع ہوتی ہے بلکہ ان غلط نظریات کو جب انسانی تمدن میں جذب کرکے عملیات کی بنیاد اٹھائی جاتی ہے تو وہ فساد تمدن کی موجب ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کی رہنمائی میں جب ایک مسلم سائنٹسٹ ثابت شدہ حقائق کو نظریات سے الگ کرکے مرتب کرے گا اور مزید حقائق دریافت کرکے ان سے بہتر نظریات نکال بتائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا ان سائنٹیفک گمراہیوں کو چھوڑنے پر مجبور نہ ہو جائے جن میں آج وہ مبتلا ہے۔

جن علوم کو اس وقت علوم دینی کہا جاتا ہے ان کے لئے بھی الگ الگ شعبے مخصوص ہونے چاہئیں مثلاً" ایک شعبہ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کا ہو جس میں پچھلے مفسرین کے کام کا جائزہ لینے کے بعد آگے مزید کام کیا جائے' مختلف پہلوؤں سے قرآن کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے اور علوم انسانی کے تمام شعبوں سے استفادہ کر کے قرآن میں مزید بصیرت حاصل کی جائے۔ اسی طرح ایک شعبہ علوم حدیث کا ہونا چاہئے جس میں قدیم محدثین کے کام سے پورا فائدہ اٹھانے کے بعد حدیث میں تحقیق' تنقید' ترتیب معلومات اور اخذ نتائج کا مزید کام کیا جائے۔ دور سعادت کے متعلق زیادہ سے زیادہ تفصیلات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی جائیں اور ان سے وہ نتائج اخذ کئے جائیں جو اب تک ہمارے علم سے مخفی ہیں۔ ایک شعبہ قانون کا ہونا چاہئے جس میں قرآن کے احکام' حدیث نبوی کی قولی و عملی تشریحات' صحابہ کرام اور تابعین کے اجتہادات اور ائمہ مجتہدین کے طرز استنباط اور جزئیات میں ان تصریحات کا مفصل تحقیقی مطالعہ کیا جائے۔ نیز دنیا کی دوسری پرانی اور نئی قوموں کے قوانین اور قانونی نظامات پر بھی گہری نظر رکھی جائے اور زندگی کے روز بروز بدلنے والے معاملات و مسائل پر اصول قانون اسلامی کو منطبق کر کے فقہ کے ان چشموں کو پھر سے رواں کیا جائے جو صدیوں سے سوکھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ شعبے نہ صرف بجائے خود بہت عظیم الشان کام انجام دیں گے' بلکہ دوسرے تمام شعبوں کو بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے متعلق ان ہی سے مواد ملے گا جس کی بنیاد پر علم کی تمام راہوں میں تحقیق و اکتشاف کا کام چلایا جائے۔

تیسری خصوصیت:

میں نے یہ چند شعبے محض تمثیلاً" بیان کئے ہیں۔ جن سے پورے نقشے کی تفصیلات کا تصور بآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اب میں اس نئے تعلیمی نظام کی آخری مگر نہایت اہم خصوصیت کا ذکر کروں گا اور وہ یہ ہے کہ اس میں وہ بے مقصد تعلیم نہیں ہو گی جو آج کل ہندوستان میں دی جا رہی ہے' بلکہ اس میں تعلیم دینے والے

اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے ایک متعین اور واضح مقصد زندگی اور منتہائے سعی و عمل ہو گا' یعنی یہ کہ ان سب کو مسلک خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ یہ مقصد اس نظام کی ہر چیز میں اسی طرح کام کرے گا' جس طرح انسانی جسم کے ہر رگ اور ہر ریشے اور ہر حرکت میں اس کی روح کام کرتی ہے طلبہ کی شخصی زندگی' ان کے باہمی اجتماعات' ان کے کھیل کود اور تفریحات اور ان کے درس و تدریس اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کارفرمائی ہو گی۔ اسی کے مطابق ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائے گی۔ اسی پر ان کے اخلاق ڈھالے جائیں گے اور تمام ماحول ایسا بنایا جائے گا کہ ہر شخص کو ایک مجاہد فی سبیل اللہ میں تبدیل کر دے۔

متوقع نتائج

اس قسم کی تربیت اور اس قسم کی تعلیم پا کر جو لوگ تیار ہوں گے ان میں یہ طاقت ہو گی کہ ان واقعات کی رفتار بدل دیں۔ ان کی محققانہ تنقید جاہلیت کے علوم اور جاہلی تہذیب کی ساری بنیادوں کو ہلا دے گی' ان کے مدون کیے ہوئے علوم میں اتنا زور ہو گا کہ جو لوگ آج جاہلیت کے نقطۂ نظر پر جمے ہوئے ہیں ان کو وہ اسلامی نقطہ نظر کی طرف پھیر لائیں گے۔ ان کی تحقیق کے نتائج یورپ امریکہ اور جاپان تک کو متاثر کر دیں گے اور ہر طرف سے معقول انسان ان کے نظریات کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ ان کا مرتب نظریہ حیات اور لائحہ زندگی اتنی قوت کے ساتھ فکر و نظر کی دنیا پر چھا جائے گا۔ عمل کی دنیا میں اس کے خلاف کسی دوسرے لائحہ زندگی کا چلنا مشکل ہو گا' پھر اسی تعلیم سے اس سیرت اور اس عزم کے لوگ پیدا ہوں گے جو امامت کے نظام میں عملاً" انقلاب برپا کرنے کے لئے ضروری ہے' وہ اس انقلاب کے فن کو بھی جانتے ہوں گے' ان میں سے اس کے برپا کرنے کا مضبوط داعیہ بھی ہو گا اور

انہیں اپنی انقلابی تحریک کو خالص اسلامی راہوں پر چلانا بھی آتا ہو گا۔ پھر ان ہی میں یہ اہلیت بھی ہو گی کہ کامیابی کی منزل پر پہنچ کر اسلامی اصول کے مطابق ایک اسٹیٹ ایک مکمل تمدن کے ساتھ بنا کر کھڑا کر دیں جس کی شکل اور روح اسلامی ہو اور جو دنیا میں امامت کرنے کی پوری طاقت و صلاحیت رکھتا ہو۔

عملی مشکلات

حضرات' اس مرحلہ پر پہنچ کر تین کٹھن سوالات سامنے آتے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہ مفروضات سننے کے دوران ان سوالات نے آپ کے دلوں میں خلش پیدا کرنی شروع کی ہوگی۔

نصاب اور معلمین کی تیاری

پہلا سوال یہ ہے کہ یہ نیا نظام قائم کیسے کیا جائے گا جب کہ اس نئے طرز پر نہ تو پڑھانے والے ہی اس وقت کہیں مل سکتے ہیں اور نہ ایسی کتابیں ہی موجود ہیں جن سے کسی ایک شعبہ علم کی تعلیم بھی اس نقشہ کے مطابق دی جا سکے؟ بلکہ شاید مبالغہ نہ ہو گا اگر یہ کہا جائے کہ پہلی جماعت کے بچے کو بھی اس طرز کی تعلیم دینے کے لئے کسی مدرس اور کسی کتاب کا ملنا اس وقت مشکل ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ایک عمارت بنانے کے لئے بھٹہ تیار کرنا پڑتا ہے' تاکہ اینٹیں پکائی جائیں' اسی طرح ایک نیا نظام بنانے کے لئے بھی ایک تربیت گاہ بنانا ضروری ہے تاکہ اس میں وہ آدمی تیار کئے جائیں جو اس خاص طریقہ کی تعلیم دینے کے قابل ہوں۔ اینٹیں بھی تو آپ کو پکی پکائی نہیں ملتیں' پکانی پڑتی ہیں' آدمی بھی آپ کو بنے بنائے نہیں ملیں گے' بنانے پڑیں گے۔ اس ناقص تعلیم سے کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی فارغ ہو کر نکلے ہیں جو فطرت ابراہیمی پر پیدا ہوئے ہیں کافر گر تعلیم و تربیت کے سارے مرحلوں سے گزرنے کے باوجود اپنا ایمان بچا لائے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر اور مقصد زندگی اسلامی ہے یا ذرا سی محنت سے خالص اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ ان میں یہ طاقت بھی موجود ہے کہ

جس مقصد پر وہ ایمان لائے ہیں اس کی راہ میں جفا کشی کر سکیں۔ ان میں اجتہادی صلاحیتیں بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کو لے کر اگر خاص قسم کی ذہنی و اخلاقی تربیت دی جائے اور معلومات جس ترتیب سے اب تک ان کے ذہن میں جمع ہوتی رہی ہیں اس کو ذرا حکمت کے ساتھ بدل دیا جائے اور زاویہ نگاہ اچھی طرح اسلام کی سمت میں جما دیا جائے تو یہی لوگ تحقیق و مطالعہ سے اس قابل ہو سکتے ہیں کہ علوم کو میرے بیان کردہ نقشے کے مطابق از سر نو مدون کرنا شروع کریں۔ پھر جب تدوین علوم کا کام کسی حد تک انجام پا جائے تو ایک نمونہ کی درس گاہ ابتدائی تجربوں کے لئے بنائی جا سکتی ہے اور بعد میں آہستہ آہستہ ترقی دے کر اسے یونیورسٹی کے مرتبے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

متعلمین کی فراہمی:

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس قسم کا نظام تعلیم اگر قائم بھی کر دیا جائے تو اس میں جاذبیت کون سی ہو گی۔ جو پڑھنے والوں کو اس کی طرف کھینچے گی؟ جو نظام تعلیم موجودہ نظامات تمدن و سیاست کی خدمت کے لئے نہیں بلکہ ان سے لڑنے کے لئے بنایا جائے، اس میں شریک ہونے والے کو یہ تو امید ہو ہی نہیں سکتی کہ کل وہ وہاں سے نکل کر کچھ بچا سکے گا پھر کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو کمانے سے بے نیاز ہو کر اس تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے آئیں گے۔ جس کے بعد دنیوی لحاظ سے کوئی شان دار مستقبل نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نظام تعلیم میں حق اور صداقت کے سوا کوئی کشش نہیں ہے اور کسی دوسری کشش کی حاجت ہی نہیں۔ جن لوگوں کے لئے اس چیز میں جاذبیت نہ ہو اور صرف روٹی ہی جن کو کھینچ سکتی ہو، ان کی توجہ فرمائی سے یہ نظام تعلیم خود بھی اتنا ہی بے نیاز ہو گا جتنے وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ اس کے لئے تو وہ لوگ درکار ہیں جو جان بوجھ کر اس مقصد اور اس کام کے لئے اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی وقف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جس کے لئے یہ نظام تعلیم بنایا جائے گا اور ایسے

لوگ بالکل ہی مفقود نہیں ہیں۔ تمام ہندوستان سے پچاس بچے بھی کیا اس کام کے لئے نہ مل سکیں گے؟ اگر اتنے بچے بھی وہ قوم فراہم نہیں کر سکتی جو مدتوں سے اسلام اسلام چیخ رہی ہے۔ تب بھی کچھ پروا نہیں۔ اللہ دوسری قوموں کو یہ سعادت بخشے گا۔

مال کا سوال:

تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ اس کام کے لئے مال کہاں سے آئے گا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس سے جو مال اور ایمان دونوں رکھتے ہوں اور اتنی عقل بھی رکھتے ہوں کہ اپنے مال کا صحیح مصرف سمجھ سکیں۔ ایسے لوگ بھی اگر اس قوم میں نہ پائے گئے جو رات دن اسلام کے درد میں تڑپ رہی ہے تو میں پھر یہی کہوں گا کہ کچھ پروا نہیں' اللہ دوسری قوم میں سے ایسے آدمی پیدا کرے گا۔ آخر پہلے بھی تو کفر و شرک کی گود ہی سے وہ اللہ کے بندے نکل کر آئے تھے' جن کی مالی قربانیوں سے دنیا میں اسلام کا فروغ ہوا۔

(ترجمان القرآن۔ شوال' ذیقعدہ ۵۹ ھ)

روداد مجلس تعلیمی

(منعقدہ دارالاسلام، پٹھان کوٹ، ضلع گورداسپور)

۱۹۴۲ء

اپنے نظریہ تعلیمی کے مطابق ایک درس گاہ اور ایک تربیت گاہ کے قیام کی ضرورت تو ہماری جماعت کو ابتدا سے محسوس ہو رہی تھی اور موجودہ مرکز میں آنے کے بعد تو اس کے قائم کرنے کا ارادہ بھی کر لیا گیا تھا۔ لیکن مختلف اسباب سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی طرف جلدی اقدام نہ کیا جا سکا۔ حال میں جماعت کے جو مختلف اجتماعات بہار، پنجاب، دہلی اور دکن میں منعقد ہوئے ان میں جماعت کی طرف سے بشدت اس بات کا مطالبہ ہوا کہ اب اس کام میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔ اس کے ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس ہوئی کہ مستقل مرکز کا فیصلہ بھی جلدی سے جلدی کر لیا جائے تاکہ درسگاہ اور تربیت گاہ کے قیام میں مرکز کے عارضی ہونے کی وجہ سے جو رکاوٹ ہے وہ دور ہو جائے اور اطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر اس سلسلہ کی تمام تجاویز کو عمل میں لانا شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ دکن کے سفر سے واپس آنے کے بعد ہی ایک مجلس مشاورت کے لئے ۱۴، ۱۵، ۱۶ اگست کی تاریخیں تجویز کر لی گئیں اور اس مجلس کے انعقاد سے پہلے ایک طرف تو ایک مفصل تعلیمی سوال نامہ اخبار "کوثر" میں شائع کرایا گیا تاکہ جو لوگ ہمارے اس کام سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اپنی آراء سے ہمیں فائدہ اٹھانے کا موقع دیں اور دوسری طرف مرکز کی ضروریات کو واضح کرتے ہوئے جماعت کے ارکان اور ہمدردان سے درخواست کی گئی کہ مستقل مرکز کے لئے جگہ کے انتخاب سے متعلق جو تجاویز انہیں پیش کرنی ہیں وہ ضروری تفصیلات کے ساتھ انعقاد مجلس کی تاریخوں سے پہلے پہلے ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ان سب کو پیش نظر رکھ کر

مرکز کے بارے میں ایک آخری فیصلہ کر لیا جائے۔

ہمارے ان دونوں اعلانات پر تعلیمی اسکیم اور مرکز کی تجویز کے متعلق اچھی خاصی تعداد میں ارکانِ جماعت اور ہمدردوں کی جانب سے جوابات بروقت موصول ہو گئے جن میں سے اکثر کافی غور و خوض اور تحقیق سے مرتب کئے گئے تھے اور ہمارے کام میں مددگار ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے ہر مرحلے میں ہمارے ساتھ اسی طرح قلمی تعاون کے لئے زیادہ سے زیادہ آمادہ فرمائے۔

حسب اعلان ۲۴ شعبان ۶۳ھ مطابق ۱۴ اگست ۴۴ء کو دارالاسلام میں مجلسِ تعلیمی کا اجلاس شروع ہوا۔ ہمارے ارکان اور ہمدردوں میں سے جو لوگ تعلیمی امور میں نظری اور عملی بصیرت رکھتے ہیں، ان سب کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور الحمدللہ کہ ان میں سے اکثر تشریف لے آئے تھے۔ مدعوئین کے علاوہ اور بھی چند اصحاب جنہیں ان مسائل سے دلچسپی ہے، شریکِ جلسہ ہوئے۔ حاضرین کی تعداد انیالیس تھی۔

اجلاس اول

پہلا اجلاس نمازِ ظہر کے بعد دارالاسلام کی مسجد میں شروع ہوا۔ اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ صاحب نے سب سے پہلے اپنا وہ مضمون پڑھ کر سنایا جو "نیا نظامِ تعلیم" کے عنوان سے ترجمان القرآن میں اور پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے (اور اس مجموعہ میں صفحہ ۲۱ پر درج ہے) اس کے بعد فرمایا:

"اگرچہ آپ سب حضرات اس مضمون کو جو ابھی میں نے پڑھ کر سنایا ہے اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں لیکن میں نے یہاں اسے دوبارہ سنانا اس لئے ضروری سمجھا کہ یہی مضمون ہمارے اس تعلیمی نظریے اور اس تعلیمی پالیسی کا سنگِ بنیاد ہے جس پر

ہمیں اب عملاً کام کرنا ہے اور اس کام کو شروع کرتے وقت ہمارے ذہن میں ان بنیادی اصولوں کا مستحضر ہونا ضروری ہے جو اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ میں خود فن تعلیم کا ماہر نہیں ہوں اور اس کام کے لئے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے میں کوئی علمی اسکیم نہیں بنا سکتا۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ اسلامی تحریک کو جس قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے اور جن اوصاف اور جن قابلیتوں کے کارکن اسے مطلوب ہیں ان کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دوں اور اس کے بعد ماہرین فن ہونے کی حیثیت سے یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مناسب عملی تدابیر تجویز کریں۔

جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں اس وقت ہمارے ملک میں جتنے نظام ہائے تعلیم رائج ہیں ان میں سے کوئی بھی اس مقصد کے لئے آدمی تیار نہیں کرتا جو ہمارے پیش نظر ہے اور نہ اس طرز کے آدمی تیار کرتا ہے جو ہمیں مطلوب ہیں اسی لئے ہم کو اپنا نظام تعلیم الگ قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ ہمیں صرف یہی نہیں کرنا ہے کہ نوخیز نسلوں کی علمی اور ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کریں بلکہ اس کے ساتھ ان کی اخلاقی اور عملی تربیت کا بھی بندوبست کرنا ہے اور یہ ضرورت خصوصیت کے ساتھ اس درجہ سے اور بھی شدید ہو گئی ہے کہ ہمارے ملک میں مدت ہائے دراز سے انحطاط کی وجہ سے اجتماعی تربیت کا نظام باقی نہیں رہا ہے۔ پرانے زمانے میں اجتماعی تربیت کی جو صورت تھی وہ جدید زمانے کے سیاسی و تمدنی انقلاب کے مقابلے میں شکست کھا گئی اور جدید سیاسی و تمدنی انقلاب نے اس کی جگہ اجتماعی تربیت کا دوسرا نظام مرتب نہیں کیا بلکہ عامتہ الناس کو خود رو درختوں کی طرح اگنے اور نشوونما پانے کے لئے چھوڑ دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ آدمیوں کی جتنی کمی ہے اس سے بہت زیادہ کمی تربیت یافتہ آدمیوں کی ہے۔ مجھے اکثر یہ چیز بڑے رنج کے ساتھ محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی خواہ وہ قدیم نظام تعلیم سے تعلق رکھتے ہوں یا جدید نظام تعلیم سے، بالعموم اخلاق و شائستگی اور مہذب

عادات اور ضبط و نظم کی بالکل ابتدائی اور بنیادی تربیت سے بھی عاری ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے کوئی اعلیٰ درجہ کی جماعت جو کسی نصب العین کے لئے جدوجہد کر سکے اس ملک میں بنانی نہایت مشکل ہوتی ہے۔ جن قوموں میں اجتماعی تربیت کا نظام موجود ہے ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں بیشتر افراد مہذب اور منظم زندگی کی بنیادی تربیت حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں اور جو شخص کوئی خاص تحریک ان کے اندر جاری کرنا چاہتا ہو اسے ان بنے سنورے ہوئے آدمیوں میں سے صرف اپنی تحریک کے لحاظ سے مناسب اوصاف پیدا کرنے کی سعی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ بڑی دشواری ہے کہ انسان کی بنیادی تربیت ہی بڑی حد تک مفقود ہے اور یہاں اگر کسی نصب العین کے لئے جدوجہد کرنی مقصود ہو تو آدمی کو بالکل ناتراشیدہ مواد خام ملتا ہے جسے بالکل نئے سرے سے تراشنے اور سنوارنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے نظام تعلیم میں دماغی تربیت سے زیادہ اخلاقی تربیت کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنی اس دعوت کے لئے صحیح قسم کے کارکن میسر آ سکیں جن کی نایابی کی وجہ سے ہمارا یہ کام ہماری انتہائی کوششوں کے باوجود آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات اور بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اس وقت ہم کسی ملک کے انتظام کا چارج نہیں لے رہے ہیں کہ ہمیں اپنے نظام تعلیم میں ان ضرورتوں کے لئے آدمی تیار کرنے ہوں جو ایک ملک کے تمدن کی پوری مشینری کو چلانے میں پیش آتی ہیں۔ ہمارے سامنے اس وقت صرف ایک کام ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں اخلاقی' فکری اور عمرانی انقلاب برپا کرنے کے لئے موزوں لیڈر اور کارکن تیار کریں۔ اس کام کے لئے ڈاکٹری یا انجینئرنگ یا سائنس وغیرہ کے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین اسلام اور علوم اجتماعیہ (Social Sciences) میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت رکھتے ہوں۔ آگے چل کر جیسے جیسے ہماری کارروائیوں کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا اور ہمارے اوپر ذمہ داریوں کا جتنا جتنا بار بڑھتا جائے گا' اس کے لحاظ سے جن جن علمی شعبوں کے اضافے کی ضرورت ہوگی ان

کا اضافہ ہم کرتے جائیں گے۔ فی الحال ہمیں اعلیٰ تعلیم کے صرف پانچ شعبوں کو پیش نظر رکھ کر ہمیں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام کرنا ہے تاکہ ہم ان پانچوں شعبوں کے لئے طلبہ کو تیار کر سکیں۔

اب میں سب سے پہلے آپ کے سامنے اعلیٰ تعلیم کا معیار مطلوب پیش کرتا ہوں تاکہ وہ منتہا آپ کے پیش نظر ہو جائے جس تک پہنچنے کے لئے آپ کو اس وقت ابتدائی قدم اٹھانے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کا معیار مطلوب

ا۔ علمی

اعلیٰ تعلیم کے جن پانچ شعبوں (Faculties) کا ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) فلسفہ: تاریخ فلسفہ، فلاسفہ، فلاسفہ مسلمین کے مختلف سکول، فلاسفہ غیر مسلمین کے مختلف اسکول، علم کلام، فلاسفہ، متصوفین، منطق، نفسیات، فلسفہ اخلاق نظری (Theoritical) سائنس، حکمت قرآن اور اس کی مدد کے لئے حدیث۔

(۲) تاریخ: تاریخ اسلام، تاریخ مسلمین، تاریخ عالم قدیم و جدید، تاریخ انقلاب، فلسفہ تاریخ عمرانیات (Sociology) مختلف عمرانی فلسفے، مدنیات (Civics) سیاسیات و دساتیر عالم (Constitutions of the world) اسلامی فلسفہ تاریخ و فلسفہ تمدن اور نظام اجتماعی و سیاسی کا مطالعہ قرآن و حدیث کی روشنی میں۔

(۳) معاشیات: علم المعیشت، مختلف معاشی نظریے اور معاشی و تمدنی مسالک، دنیا کے مختلف معاشی نظام، مالیات (Finance) بینکنگ (Banking) قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ معاشی نقطہ نظر سے۔

(۴) قانون : تاریخ قانون' اصول قانون' قوانین امم قدیمہ و جدیدہ' اصول قضا و نظام عدالت' قرآن و حدیث اور اسلامی مذاہب فقہیہ کا مطالعہ قانونی نقطہ نظر سے۔

(۵) علوم اسلام : ادب و لغت عربی' تفسیر' حدیث' فقہ علوم اسلامی کی تاریخ' تاریخ افکار مسلمین' مذاہب عالم کا مستقل مطالعہ' تاریخ ادیان عالم' فلسفہ مذہب' دور جدید کی مذہبی و اخلاقی تحریکیں' مغربی الحاد کی تاریخ۔

۲۔ ذہنی و اخلاقی

اس علمی معیار کے ساتھ ہم ان لوگوں کو جو ان شعبوں میں تیار ہوں حسب ذیل اوصاف سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں :

(۱) فکر و نظر اور ذہنیت کے اعتبار سے پورے مسلمان ہوں اور اسلام کے لئے دنیا سے لڑنے کا گہرا جذبہ رکھتے ہوں۔

(۲) دین میں تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہوں اور وہ تمام استعدادیں ان کے اندر پوری طرح نشوونما پا جائیں جو دنیا کے بگڑے ہوئے نظام تمدن و اخلاق کو توڑ کر ایک صالح نظام تمدن و اخلاق تعمیر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

(۳) ان کی دماغی تربیت اتنی اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنے زمانے کی علمی دنیا پر ان کی فراست کا سکہ بیٹھ جائے۔

(۴) وہ ان اخلاقی اوصاف سے پاک ہوں جنہیں قرآن و حدیث میں کفار' فساق اور منافقین کی صفات قرار دیا گیا ہے اور جنہیں ایمان کی ضد' اسلام کے منافی اور صالح سوسائٹی کے لئے غیر موزوں ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کے برعکس ان میں انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر وہ اخلاقی اوصاف پرورش کئے جائیں جو قرآن و حدیث میں عباد اللہ' متقین' صالحین' صادقین' محسنین' فائزین' مصلحین کے اوصاف بتائے گئے ہیں۔

(۵) وہ دنیا میں اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں' ہر میدان کے مرد ہوں کسی راہ

میں عاجز و درماندہ نہ ہوں' صعوبتوں سے لڑ کر اپنا راستہ ہموار کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور زمین کو پیٹ کر ہر جگہ سے اپنا رزق حاصل کر لینے کی قابلیت ان میں موجود ہو۔

یہ ہے وہ سب سے اوپر کی منزل (Super Structure) جو آخر کار ہمیں تیار کرنی ہے۔ اس بناء عالی کو سنبھالنے کے لئے آپ کو جس ثانوی تعلیم کا انتظام کرنا ہو گا۔ اس میں لا محالہ حسب ذیل شعبوں کی علمی تیاری ناگزیر ہو گی۔

ثانوی تعلیم کا معیار مطلوب

عام:

ا۔ عربی زبان' انگریزی زبان یا کوئی اور یورپین زبان' اس حد تک کہ تحقیقی مطالعہ کے لئے کافی ہو سکے۔

۲۔ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کی ابتدائی تیاری۔

۳۔ اصول حدیث اور حدیث کی مختصر کتب کا تحقیقی مطالعہ جس سے طالب علم کے لئے آئندہ زیادہ گہرے تحقیقی مطالعہ کی راہیں کھل جائیں۔

خصوصی شعبے

یہ ان پانچ شعبوں (Faculties) کی مناسبت سے ہونے چاہیں جو اعلیٰ تعلیم کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں ان علوم کے مبادی اور مددگار علوم پڑھائے جائیں جن کا اعلیٰ تعلیم کے مرحلے میں طالب علم کو تحقیقی مطالعہ کرنا ہے مثلاً:

ا۔ شعبہ فلسفہ کے لئے مبادی منطق' فلسفہ' قدیم و جدید اور علم کلام پر ایک ایک کتاب جو ان علوم کی اصطلاحات' طرز بیان اور بنیادی مسائل سے واقفیت کے

لئے کافی ہو' نیز نفسیات' طبیعات اور علم کیمیا پر بھی ایک ایک ابتدائی کتاب۔

۲۔ شعبہ تاریخ کے لئے تاریخ عمرانیات اور سیاسیات کا ایسا کورس جس سے طلباء کو تاریخی تحقیق اور تمدن و متعلقات تمدن کی گہرائیوں میں اترنے کا طریقہ معلوم ہو اور وہ ان علوم سے فی الجملہ روشناس ہو جائیں۔

۳۔ شعبہ معاشیات کے لئے ایسا کورس جس سے طالب علم انسانی سوسائٹی کی ترکیب (Structure) اور اس کے بنیادی مسائل کو بحیثیت مجموعی سمجھ لے اور پھر معاشیات' مالیات' بینکنگ اور کاروبار معیشت کے اصول سے واقف ہونے کے علاوہ موجودہ زمانے کے معاشی نظاموں اور مسلکوں سے بھی فی الجملہ روشناس ہو جائے۔

۴۔ شعبہ قانون کے اصول قانون' اصول فقہ' تاریخ قانون اور تاریخ فقہ اسلامی پر ایک ایک ابتدائی کتاب اور فقہ مذاہب اربعہ کے مسائل کے ایک مختصر مجموعہ۔

۵۔ شعبہ علوم اسلامی کے لئے زبان عربی کا ایک مزید کورس' اس عام کورس کے علاوہ جو متوسط تعلیم کے لئے تجویز کیا جائے۔ نیز فقہ اور تاریخ فقہ پر ایک ایک کتاب اور تقابل ادیان پر ایک ایک کتاب جس میں تاریخ ادیان بھی شامل ہو۔

ان دونوں بالائی منزلوں کو سنبھالنے کے لئے آپ کو اپنی تعمیر کی ابتدا نچلی منزل سے کرنی ہے' اس کی تفصیلات آپ حضرات کو خوب غور و خوض کے ساتھ تجویز کرنی چاہیں تاکہ بنیاد نہایت مضبوط ہو اور طلباء میں علمی و اخلاقی دونوں حیثیتوں سے وہ ضروری قابلیتیں اور صفات پیدا ہو جائیں جو مہذب انسانوں اور ہماری اس تحریک کے کارکنوں میں بہرحال ناگزیر ہیں۔ اس مرحلہ میں آپ کو اس امر کا بھی لحاظ رکھنا ہو گا کہ جو طلبہ آپ کی ابتدائی منزل سے آگے بڑھنے والے نہیں ہیں انہیں بنیادی تعلیم و تربیت سے اس حد تک آراستہ ہونا چاہئے کہ جوہر انسانیت اور جوہر اسلامیت کے اعتبار سے وہ ناقص نہ رہ جائیں اور متمدن و مہذب زندگی کے فعال عنصر ہونے کے لئے جو قابلیتیں ضروری ہیں وہ ان میں پیدا ہو جائیں۔ اس کام کے لئے جتنی مدت

آپ چاہیں تجویز کریں اور اس مدت کو جتنے مراحل پر چاہیں تقسیم کریں۔ ماہر فن ہونے کی حیثیت سے یہ آپ کا اپنا کام ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم پر ہم اپنے طلبہ میں کیا قابلیتیں اور کیا اوصاف دیکھنا چاہتے ہیں آپ اس معیار مطلوب کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرلیں کہ اس معیار کے طلبہ تیار کرنے کے لئے آپ کو کتنی مدت اور کیا سروسامان درکار ہے۔

ابتدائی تعلیم کا معیار مطلوب

اخلاقی:

۱۔ شائستگی، پاکیزگی، صفائی، تمیز حسن و قبح اور ذوق سلیم۔

۲۔ اخلاق حسنہ، انفرادی، عائلی اور اجتماعی

۳۔ انضباط (Discipline) باقاعدہ اور مہذب طریقہ سے سوسائٹی میں رہنے اور کام کرنے کا ڈھنگ، محاسبہ نفس کی عادت، احساس فرض، احساس ذمہ داری۔

۴۔ وسعت قلب، وسعت نظر، وسعت تصور، بلند حوصلگی، خودداری۔

۵۔ عزم و ارادے کی پختگی، متانت و سنجیدگی (Seriousness) خلوص نیت اور یہ ضروری صفت کہ جس معاملہ سے بھی دلچسپی لیں اس میں ان کی دلچسپی منافقانہ طرز کی نہ ہو۔

۶۔ جرات و دلیری، جفاکشی، چستی، ہر طرح کام کرلینے کی صلاحیت، زندگی کے ہر پہلو سے کچھ نہ کچھ واقفیت (نہ صرف معلومات کی حد تک بلکہ عملاً" بھی)

۷۔ اسلامی نصب العین کا عشق اور گہرا اسلامی جذبہ روح اور قلب میں اترا ہوا ہو اور جس کا اظہار بچوں کی تمام حرکات و سکنات سے ہو۔

۸۔ اسلامی اوزان اور پیمانوں (Islamic Standard of weights and measures) سے ہر چیز کو ناپنے اور تولنے کی عادت۔

۹۔ جماعتی زندگی کے لئے وہ مناسب اوصاف جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔
۱۰۔ ضروری انتظامی صلاحیت۔
۱۱۔ تحقیق و تجسس اور تفکر و مشاہدہ کی عادت' کھلے کانوں اور کھلی آنکھوں کے ساتھ دنیا میں رہنا' باقاعدگی کے ساتھ سوچنا' استدلال کرنا اور پرکھنا۔

عملی

(۱) کشتی' تیراکی' بنوٹ' تلوار کا استعمال' گھوڑے کی سواری' سائیکل کی سواری' بندوق کا استعمال۔
(۲) پھاوڑے' کدال' ہتھوڑے' بیلچے' آری' بسولے' اور برمے سے کام لینے پر قادر ہونا' ابتدائی طبی امداد سے عملاً" واقف ہونا۔
(۳) منڈی سے مال خریدنے اور اپنا مال بیچ لانے پر بے جھجک قادر ہونا۔
(۴) دارالاقامہ کے انتظام' کسی بڑے اجتماع کے اہتمام اور کسی بڑی پارٹی کے سفر کے انتظام پر قادر ہونا۔
(۵) دفتری کاموں سے واقفیت' تجارتی مراسلت کی مشق۔
(۶) تقریر' تحریر' تبلیغ' گفتگو اور ترغیبی مذاکرہ (Convassing) پر قادر ہونا۔
(۷) کسی حد تک کھانا پکانے' کپڑا کترنے اور سی لینے پر قادر ہونا۔

علمی

(۱) اردو نوشت و خواند اس پیمانے پر کہ طالب علم صحیح اردو لکھ سکے۔ ہر طرح کا اردو لٹریچر پڑھ اور سمجھ سکے اور اپنے خیالات تحریر اور تقریر میں ادا کر سکے۔
(۲) ابتدائی عربی قرآن فی الجملہ سمجھ لینے کی حد تک۔
(۳) فارسی' گلستان و بوستان پڑھ سکنے کی قابلیت تک۔
(۴) ابتدائی انگریزی ان علوم کی ابتدائی کتابیں انگریزی میں سمجھ لینے اور ان کا ترجمہ کر لینے کے قابل جنہیں معلومات عامہ کے سلسلے میں طالب علم اردو میں پڑھے گا۔

(۵) ضروری ریاضی جو ذہنی تربیت اور ہماری متوسط اور اعلیٰ تعلیم کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔

(۶) جغرافیہ' طبعی' عالمی' قرآنی اور ہندی۔

(۷) تاریخ اسلام و مسلمین' سیرت انبیاء و صلحاء امت اور تاریخ ہند کی ضروری معلومات۔

(۸) اسلامی عقائد' اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب و تمدن کے متعلق واضح تصورات' نیز فقہ کی وہ ضروری تفصیلات جو ایک مسلمان کو اپنی مذہبی زندگی کے لئے لازماً معلوم ہونی چاہئیں۔

(۹) صحت عامہ و وظائف اعضاء (Physiology)' طبیعات' علم الکیمیا' فلکیات' ارضیات' غرض اپنے جسم' اپنی سوسائٹی اور اپنے ماحول کے متعلق ضروری معلومات۔

(۱۰) ڈرائنگ' سکیل ڈرائنگ' ماڈل ڈرائنگ' اور فری ہینڈ پینٹنگ میں صفائی اور ستھرائی اور صحت اور حسن ذوق' نیز نقشہ بنانے اور نقشہ سمجھنے (Map Reading) کی قابلیت۔

ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا عارضی انتظام

یہ تو وہ امور تھے جو مجھے اصل نظام تعلیم کے متعلق عرض کرنے تھے۔ اب میں ایک اور ضروری چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہماری تحریک کی حقیقی ضرورتیں محض ابتدائی یا ثانوی تعلیم سے پوری نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ صرف اس انتہائی تعلیم ہی سے پوری ہو سکتی ہیں جس کے پانچ شعبوں کی طرف میں ابتدا میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس انتہائی مرحلہ پر پہنچنے میں ہمیں ابھی بہت دیر لگے گی۔ لیکن ہماری تحریک کی موجودہ ضروریات کا تقاضا اتنا شدید ہے کہ ہم اپنی اعلیٰ تعلیم کے لئے اس وقت تک زیادہ انتظام نہیں کر سکتے جب تک

ہمارے طلبہ ابتدائی تعلیم سے بتدریج ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ منزل پر پہنچیں گے۔ اس لئے اعلیٰ اور ثانوی تعلیم کا ایک عارضی انتظام بہرحال ہمیں جلدی سے جلدی کرنا چاہئے تاکہ وہ لوگ جو کالجوں اور عربی مدرسوں میں تعلیم پا چکے ہیں، انھیں ہم اسلامی نقطہ نظر سے علمی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے تیار کر سکیں۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ ہمیں اس وقت جن اعلیٰ درجے کے کارکنوں اور رہنماؤں کی ضرورت ہے وہ تیار ہو سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ اس عارضی انتظام سے جن لوگوں کو ہم تیار کریں گے، وہی ہمارے نظام تعلیم کے ثانوی اور اعلیٰ شعبوں میں درس و تدریس اور کتب نصاب کی تیاری کا کام کر سکیں گے۔ آگے چل کر ہم اس عارضی انتظام کو تھوڑے ردوبدل کے ساتھ اپنی اعلیٰ تعلیم کے ایک مستقل شعبے میں تبدیل کر دیں گے تاکہ ان لوگوں کو جو ہماری ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے مرحلوں سے نہ گزرے ہوں بلکہ یہ مراحل دوسری درسگاہوں سے طے کر کے آئیں ہم اپنی اعلیٰ تعلیم کی کلاسوں میں داخل ہونے کے لئے تیار کر سکیں۔

اس عارضی تعلیم کے لئے نصاب اور مدت تعلیم اور مراحل تعلیمی تجویز کرنا آپ حضرات کا کام ہے۔ میں صرف وہ معیار پیش کئے دیتا ہوں جو اس تعلیم کی تکمیل کے وقت طلباء کی قابلیت کا ہونا چاہئے۔

معیار مطلوب

۱۔ قرآن اور حدیث میں اتنی محققانہ نظر کہ طالب علم زندگی کے مختلف مسائل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے رہنمائی حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔

۲۔ فقہ اسلامی سے اتنی واقفیت کہ طالب علم مختلف مذاہب فقہ کے اصول استنباط اور ان کے دلائل اور حجتوں سے واقف ہو جائے۔

۳۔ معقولات قدیمہ سے اتنی واقفیت کہ طالب علم قدما کی کتابوں سے استفادہ کر سکے

اور معقولات جدیدہ سے اتنی واقفیت کہ موجودہ دور کے علمی پس منظر کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

۴۔ علوم اجتماعی سے اتنی واقفیت کہ طالب علم موجودہ دور کے تمدنی مسائل اور تمدنی تحریکوں کو ناقدانہ حیثیت سے اچھی طرح سمجھ سکے۔

۵۔ تاریخ عالم پر اجمالی نظر' عہد نبوت' اور خلافت راشدہ کی تاریخ اور ہندوستان اور یورپ کی جدید تاریخ سے خصوصی واقفیت۔ اب میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنا کام شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کے اس کام میں برکت عطا فرمائے اور آپ کی رہنمائی فرمائے۔"

اس تقریر کے بعد سوال نامے کے جوابات ارسال کرنے والوں میں سے جو جو اصحاب موجود تھے ان کو ان کے جواب نامے دے دیئے گئے تاکہ مولانا کی افتتاحی تقریر کی روشنی میں اگر وہ اپنے جوابات میں کوئی اضافہ' ترمیم یا اصلاح کرنا چاہیں تو کرلیں اور اگلے روز کے اجلاس کے لئے تقریر مذکورہ کے نقطہ نظر سے غور و فکر کرلیں۔ اب نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اس لئے اجلاس ختم ہوا اور بعد نماز عصر سب حضرات علیحدہ علیحدہ یا چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

اجلاس دوم

دوسرے روز ۹ بجے کانفرنس کا دوسرا اجلاس پھر دارالاسلام میں شروع ہوا اور دوپہر کا تھوڑا سا وقفہ چھوڑ کر عصر تک جاری رہا۔ سب جوابات جو سوال نامے کے جواب میں موصول ہوئے تھے' حاضرین میں تقسیم کر دیئے گئے تاکہ ہر سوال کے متعلق جوابات کو بسہولت بیک وقت پیش کیا جا سکے۔ سوال نامے کے ایک ایک سوال پر بہ ترتیب بحث شروع ہوئی' مولانا مودودیؒ سوالنامے سے ایک سوال کو پڑھتے جاتے تھے۔ پھر ان پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر اور بحث و تمحیص ہوتی اور آخری فیصلے کو تحریر کر لیا جاتا............ جو امور طے ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

مجلس تعلیمی کی قراردادیں

کل مدت تعلیم

(۱) کل مدت تعلیم چودہ سال ہونی چاہیے جسے حسب ذیل تین مرحلوں میں تقسیم کیا جائے:

(الف) ابتدائی مرحلہ ۸ سال

(ب) ثانوی مرحلہ ۲ سال

(ج) اعلیٰ مرحلہ ۴ سال

مرحلہ ابتدائی

(۲) سردست صرف ابتدائی مرحلے کے لئے ایک درس گاہ قائم کی جائے جس کے انچارج غازی عبدالجبار صاحب ایم۔ اے' بی ٹی ہوں۔

(۳) اس درسگاہ کی ابتدائی جماعت میں ۶ سال سے لے کر ۸ سال کی عمر تک کے طلباء

داخل کیے جائیں۔

نوٹ : درمیانی جماعتوں میں داخل ہونے والے طلباء کو احتیاطاً ایک مقررہ عرصہ تک (جو زیادہ سے زیادہ تین ماہ ہو) درجہ خاص (Special Class) میں رکھا جائے۔ ایک ہم عمر طالب علم کو اس کا رفیق مقرر کیا جائے جو اسے مرکز کی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعارف کرائے، اس رفیق کے نگران اس نووارد کے نگران بھی ہوں گے، اور وہ کوشش کریں گے کہ نووارد جلدی سے جلدی کسی ایک درجے کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے اور مرکز کی پوری زندگی میں شامل ہونے کے قابل ہو جائے۔

(۴) یہ درسگاہ لازماً "اقامتی (Residential)" ہو گی۔

(۵) طلباء کی تعلیم اور پرورش کے مصارف ان کے سرپرستوں کو برداشت کرنے ہوں گے۔

(۶) اس درسگاہ میں صرف ان لوگوں کے بچوں کو داخل کیا جائے گا جو نہ صرف "جماعت" کے نصب العین سے متفق ہوں بلکہ درسگاہ میں بچوں کو داخل کرتے وقت اس بات کا تحریری اقرار نامہ داخل کریں کہ وہ اپنے بچوں کو کسی نوعیت سے غیر اسلامی نظام کے کارکن بنانے کے لئے تیار نہیں کر رہے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے بچوں کو اس نصب العین کی خدمت کے لئے دے دیا ہے۔

(۷) ابتدائی منزل میں طلبہ کو کسی خاص پیشہ کے لئے تیار کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ہم یہ کوشش کریں گے کہ اپنی عملی اور اخلاقی تربیت سے بچوں کی تمام پیدائشی قابلیتوں اور استعدادوں کو اس حد تک نشوونما دے دیں اور انہیں عملاً اس حد تک مشاہدہ اور تجربہ کرا دیں کہ وہ آٹھ سال کی تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اندر یہ طاقت محسوس کرنے لگیں کہ خدا کی زمین میں ہر طرف ان کے لئے کام کرنے اور اپنی ضروریات حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنی درسگاہ کے فارغ شدہ طلباء کے معاشی مسئلہ کا یہی ایک حل

ہے۔

(۸) نصاب اور درسیات کی ترتیب کا کام حسب ذیل پانچ حضرات کی مجلس کے سپرد کیا گیا اور اس مجلس کو اختیار دیا گیا کہ اس کام میں جن جن اصحاب سے چاہے مدد لے اور چار مہینے میں اپنی تجاویز کا خاکہ مرتب کرلے۔

(۱) غازی عبدالجبار صاحب
(۲) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب
(۳) قاضی حمید اللہ صاحب (سیالکوٹ)
(۴) نعیم صدیقی صاحب
(۵) خواجہ محمد صدیق صاحب (دہلی)

غازی عبدالجبار صاحب اس مجلس کے داعی ہوں گے۔

نوٹ: جو جوابات ہمارے سوال نامے کے جواب میں موصول ہوئے ہیں نیز جو مواد درسیات کے سلسلے میں آیا ہے وہ سب اس مجلس کے حوالے کر دیا گیا۔

(۹) درس گاہ کے انتظامی امور، اساتذہ کے انتخاب، اساتذہ کی تیاری، دارالاقامہ اور درسگاہ کے نظم و نسق، تعمیرات اور دیگر انتظامی کاموں کا نقشہ مرتب کرنے کے لئے حسب ذیل حضرات کی مجلس مقرر کی گئی:

(۱) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب
(۲) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب
(۳) غازی عبدالجبار صاحب
(۴) چوہدری محمد اکبر صاحب (سیالکوٹ)

غازی عبدالجبار صاحب اس مجلس کے بھی داعی ہوں گے۔

ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا عارضی انتظام

(۱۰) اس تعلیم کے لئے ایک الگ درسگاہ قائم کی جائے جس کے انچارج مولانا امین

احسن اصلاحی صاحب ہوں گے۔

(۱) اس کی مدت تعلیم چھ سال رکھی جائے۔ دو سال مرحلہ ثانوی کے لئے اور چار سال مرحلہ تکمیل کے لئے۔

نوٹ: عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء اور یونیورسٹیوں کے گریجوایٹ کے لئے ایسی آسانیاں فراہم کر دی جائیں کہ وہ اس سے کم مدت میں مرحلہ تکمیل طے کر سکیں۔

(۲) مرحلہ ثانوی کی ابتدائی منزل میں داخل ہونے کے لئے ایسے لوگ امیدوار ہو سکتے ہیں جو کم از کم میٹریکولیٹ ہوں یا کسی عربی مدرسہ کے متوسط درجہ کے معیار تک تعلیم پا چکے ہوں۔

(۳) درسگاہوں میں امیدواروں کا داخلہ ملاقات (Interview) کے بعد ہو گا۔

(۴) صرف ایسے امیدواروں کو درس گاہوں میں داخل کیا جائے گا جو جماعت اسلامی کے نصب العین سے متفق ہوں۔

(۵) طلبہ کو اپنے مصارف کا خود کفیل ہونا ہو گا۔

(۶) اس درسگاہ کے نصاب و درسیات اور جملہ انتظامی امور کی تفصیلات مرتب کرنے کے لئے حسب ذیل اصحاب کی ایک مجلس مقرر کی گئی۔

(۱) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب

(۲) مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب

(۳) مولانا مسعود عالم ندوی صاحب

(۴) مولانا ابواللیث اصلاحی صاحب

اسلامی نظام تعلیم
اور
پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر

(یہ وہ تقریر ہے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب نے طلباء کے ایک اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے ۲۵ فروری ۱۹۵۲ء کو برکت علی محمڈن ہال لاہور میں کی تھی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

جناب صدر اور حاضرین و حضرات!

جس مسئلے پر مجھے آپ کے سامنے اظہار خیال کرنا ہے وہ یہ ہے کہ:

"اسلامی نظام تعلیم کو اس ملک میں رائج کرنے کی عملی صورت کیا ہے۔" میں نے اپنی تقریر کے لئے یہ موضوع اختیار نہیں کیا کہ اس ملک میں کون سا نظام تعلیم جاری ہو' اس لئے کہ یہ مملکت اسلام ہی کے نام پر بنائی گئی ہے۔ اس کے قیام کا مطالبہ ہی اسلام پر مبنی تھا۔ اس کے متعلق اول روز سے کہا جاتا رہا ہے کہ ہم ایک الگ خطہ زمین اس لئے چاہتے ہیں کہ اس میں اسلامی تہذیب اور اسلامی نظام زندگی کو ازسرنو زندہ اور قائم کیا جائے اور تقدیر الٰہی بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسے "ان شاء" اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بننا ہے۔ اس لئے اب یہاں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ کس قسم کا نظام تعلیم اس ملک میں رائج ہو۔ بلکہ یہ امر طے شدہ سمجھنا چاہئے کہ یہاں

اسلامی نظام تعلیم ہی کو رائج ہونا ہے۔ البتہ اگر کوئی چیز زیر غور ہونی چاہئے' اور ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ یہاں کے نظام تعلیم کو اسلام کے سانچوں میں ڈھالنے کے لئے کیا صورت اختیار کرنی چاہئے۔

تاہم یہ بات مجھے بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اس مملکت کے قیام کے چار ساڑھے چار سال بعد آج تک ہمارے ہاں یہی مسئلہ زیر بحث ہے کہ تعلیم کو کس طرح اسلامی سانچوں میں ڈھالا جائے۔ یہ کام تو مملکت کے قیام کے بعد سب سے پہلے کرنے کا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ دنیا میں کوئی مملکت بھی اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک وہ اپنے چلانے والوں کو تربیت دینے کا اور ان کو اپنے مقصد اور اپنے مدعا کے مطابق تیار کرنے کا انتظام نہ کرے۔ اس لحاظ سے حقیقت میں تعلیم کا مسئلہ ایک مملکت کے لئے بنیادی مسائل میں سے ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ ملک کے قیام کے بعد اس کے سربراہ کاروں کو سب سے پہلے اس کی فکر ہونی چاہئے تھی۔ لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ چار ساڑھے چار سال بعد بھی کوئی آثار ہمیں ایسے نظر نہیں آتے کہ کسی نے نظام تعلیم کو اسلامی سانچوں میں ڈھالنے کے متعلق کچھ بھی سوچا ہو۔ عملی اقدامات تو درکنار ہمیں سوچنے کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔

بہر حال اب جب کہ یہ صورت حال ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ لوگ آگے بڑھیں اور بڑھ کر ان کو بتائیں کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم کس حد تک' کس طرح اور کس کس حیثیت سے ہمارے اس مقصد کی ضد پڑ رہا ہے جس کے لیے ہماری یہ مملکت قائم ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ان کو یہ بھی بتائیں کہ اگر نظام تعلیم کو اس مقصد کے مطابق ڈھالنا ہے تو کس طرح ڈھالا جائے۔ اس کی عملی صورت کیا ہے اور اس کا نقشہ کیا ہونا چاہئے۔ اسی خدمت کو انجام دینے کے لیے میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں اور دوسرے جو لوگ بھی اس طرح کی فکر رکھنے والے ہیں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی اس فرض کو انجام دیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان نقائص کو اچھی طرح

سمجھ سکیں جو ہمارے نظام تعلیم میں اس وقت پائے جاتے ہیں جب تک ہم یہ بات نہ جان لیں کہ جو چیز اسوقت موجود ہے اس میں کیا خرابی ہے۔ ہم یہ نہیں جان سکتے کہ اس میں اصلاح کس طرح اور کس شکل میں ہونی چاہیئے۔ ہمارے ملک میں اس وقت دو طرح کے نظام رائج ہیں۔ ایک نظام تعلیم ہمارے پرانے طرز کے مدارس میں رائج ہے جو ہماری مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لیے علماء تیار کرتا ہے اور دوسرا نظام تعلیم وہ ہے جو ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے اور وہ مذہبی دائرے سے باہر ہمارے پورے نظام زندگی کو چلانے کے لیے کارکن تیار کرتا ہے۔ میں ان دونوں کے نقائص آپ کے سامنے وضاحت سے بیان کروں گا۔

قدیم نظام تعلیم:

جہاں تک ہمارے پرانے نظام تعلیم کا تعلق ہے وہ آج سے صدیوں پہلے کی بنیادوں پر قائم ہے۔ جس وقت یہاں انگریزی حکومت آئی اور وہ سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کی بدولت ہم غلام ہوئے۔ اس وقت جو نظام تعلیم ہمارے ملک میں رائج تھا وہ ہماری اس وقت کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ اس نظام تعلیم میں وہ ساری چیزیں پڑھائی جاتی تھیں جو اسوقت کے نظام مملکت کو چلانے کے لیے درکار تھیں۔ اس میں صرف مذہبی تعلیم ہی نہیں تھی بلکہ اس میں فلسفہ بھی تھا' اس میں منطق بھی تھی' اس میں ریاضی بھی تھی۔ اس میں ادب بھی تھا اور دوسری چیزیں بھی تھیں۔ اس زمانے کی سول سروس کے لئے جس طرح کے علوم درکار تھے' وہ سب طلبہ کو پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن جب وہ سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کی بدولت ہم غلام ہوئے تو اس پورے نظام تعلیم کی افادیت ختم ہوگئی۔ اس نظام تعلیم سے نکلے ہوئے لوگوں کے لیے نئے دور کی مملکت میں کوئی جگہ نہ رہی۔ جس قسم کے علوم اس دوسری مملکت کو درکار تھے وہ اس کے اندر شامل نہیں تھے اور جو علوم اس میں شامل تھے ان کے جاننے والوں کی اس دوسری مملکت کو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم چونکہ اس کے اندر ہماری صدیوں

کی قومی میراث موجود تھی اور ہماری مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی اس کے اندر کچھ نہ کچھ سامان موجود تھا (اگرچہ کافی نہ تھا) اس لیے اس زمانے میں ہماری قوم کے اچھے خاصے بڑے عنصر نے یہ محسوس کیا کہ اس نظام کو جس طرح بھی ہو سکے قائم رکھا جائے تاکہ ہم اپنی آبائی میراث سے بالکل منقطع نہ ہو جائیں۔

اسی غرض کے لیے انہوں نے اس کو جوں کا توں قائم رکھا لیکن جتنے جتنے حالات بدلتے گئے اتنی ہی زیادہ اس کی افادیت گھٹتی چلی گئی کیونکہ اس نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تعلیم پا کر نکلے ان کو وقت کی زندگی اور اس کے مسائل سے کوئی مناسبت ہی نہ رہی۔ اب جو لوگ اس نظام تعلیم کے تحت پڑھ رہے ہیں اور اس سے تربیت پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔ اس طرح ان کی ذات سے اگر کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ہمیں پہنچتا ہے یعنی ان کی بدولت ہمارے اندر قرآن و دین کا کچھ نہ کچھ علم پھیلتا ہے' دین کے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے اور ہماری مذہبی زندگی میں کچھ نہ کچھ حرارت باقی رہ جاتی ہے لیکن اس کے فائدے کے مقابلے میں جو نقصان ہم کو پہنچ رہا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ وہ نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکتے ہیں' نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلام کے اصولوں کو منطبق کر سکتے ہیں' نہ ان کے اندر اب یہ صلاحیت ہے کہ دینی اصولوں پر قوم کی رہنمائی کر سکیں اور نہ وہ ہمارے اجتماعی مسائل میں سے کسی مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اب ان کی بدولت دین کی عزت میں اضافہ ہونے کی بجائے الٹی اس میں کچھ کمی ہو رہی ہے' دین کی جیسی نمائندگی آج ان کے ذریعہ سے ہو رہی' اس کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں دین سے روز بروز بعد بڑھتا جا رہا ہے اور دین کے وقار میں کمی آ رہی ہے۔ پھر ان کی بدولت ہمارے ہاں مذہبی جھگڑوں کا ایک سلسلہ ہے جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آتا' کیونکہ ان کی ضروریات زندگی انہیں مجبور کرتی ہیں

کہ وہ ان جھگڑوں کو تازہ رکھیں اور بڑھاتے رہیں۔ یہ جھگڑے نہ ہوں تو قوم کو سرے سے ان کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔

یہ ہے ہمارے پرانے نظام تعلیم کی پوزیشن اور یہ بھی وضاحت کے ساتھ کہہ دوں کہ حقیقت میں وہ دینی تعلیم بہت کم ہے۔ دراصل وہ اب سے دو ڈھائی سو برس پہلے کی سول سروس کی تعلیم ہے جس میں زیادہ تر اس وجہ سے دینی تعلیم کا جوڑ لگایا گیا تھا کہ اس زمانے میں اسلامی فقہ ہی ملک کا قانون تھی اور اسے نافذ کرنے والے کے لئے فقہ اور اس کی بنیادوں کا جاننا ضروری تھا۔ آج ہم غنیمت سمجھ کر اسی کو اپنی دینی تعلیم سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس کے اندر دینی تعلیم کا عنصر بہت کم ہے' کوئی عربی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے نصاب تعلیم میں پورا قرآن مجید داخل ہو۔ صرف ایک یا دو سورتیں (سورہ بقرہ یا سورہ آل عمران) باقاعدہ درسا" درسا" پڑھائی جاتی ہیں۔ باقی سارا قرآن اگر کہیں شامل درس ہے بھی تو صرف اس کا ترجمہ پڑھا دیا جاتا ہے۔ تحقیقی مطالعہ قرآن کسی مدرسے کے نصاب میں بھی شامل نہیں۔ یہی صورت حال حدیث کی ہے۔ اس کی باقاعدہ تعلیم جیسی کہ ہونی چاہئے' جیسی کہ محدث بننے کے لئے درکار ہے' کہیں نہیں دی جاتی۔ درس حدیث کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ یہ ہے کہ جب فقہی اور اعتقادی جھگڑوں سے متعلق کوئی حدیث آجاتی ہے تو اس پر دو دو تین تین دن صرف کر دیئے جاتے ہیں۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو دین کی حقیقت کو سمجھاتی ہیں' یا جن میں اسلام کا معاشی اور سیاسی اور تمدنی اور اخلاقی نظام بیان کیا گیا ہے' جن میں دستور مملکت یا نظام عدالت یا بین الاقوامی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ان پر سے استاد اور شاگرد دونوں اس طرح رواں دواں گزر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی بات قابل توجہ ہے ہی نہیں۔ حدیث اور قرآن کی بہ نسبت ان کی توجہ فقہ کی طرف زیادہ ہے' ______ لیکن اس میں زیادہ تر' بلکہ تمام تر جزئیات فقہ کی تفصیلات ہی توجہات کا مرکز رہتی ہیں۔ فقہ کی تاریخ' اس کے تدریجی ارتقاء' اس کے مختلف اسکولوں کی امتیازی خصوصیات۔ ان کے اسکولوں کے متفق علیہ اور مختلف فیہ اصول اور ائمہ

مجتہدین کے طریق استنباط، جن کے جانے بغیر کوئی شخص حقیقت میں فقیہہ نہیں بن سکتا، ان کے درس میں سرے سے شامل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان چیزوں پر شاگرد تو درکنار استاد بھی نگاہ نہیں رکھتے۔

اس طرح یہ نظام تعلیم ہماری ان مذہبی ضروریات کے لئے بھی سخت ناکافی ہے۔ جن کی خاطر اس کو باقی رکھا گیا تھا۔ رہیں دنیوی ضروریات تو ان سے تو اس کو سرے سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔

جدید نظام تعلیم

اس کے بعد اس نظام تعلیم کو لیجئے جو انگریزوں نے یہاں قائم کیا۔ دنیا میں جو بھی نظام تعلیم قائم کیا جائے اس میں اولین بنیادی سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ کس قسم کے آدمی تیار کرنا چاہتے ہیں اور آدمیت کا وہ کیا نقشہ آپ کے سامنے ہے جس کے مطابق آپ لوگوں کو تعلیم و تربیت دے کر ڈھالنا چاہتے ہیں؟ اس بنیادی سوال کے لحاظ سے آپ دیکھیں تو یقیناً" انگریز کے سامنے انسانیت کا وہ نقشہ ہرگز نہیں تھا جو مسلمانوں کے سامنے ہونا چاہئے۔ انگریز نے یہ نظام تعلیم یہاں اس لئے قائم نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کے کلچر کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے کارکن تیار کرے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ چیز اس کے پیش نظر نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس کے پیش نظر انسانیت کا وہ نقشہ بھی نہیں تھا جو خود اپنے ملک انگلستان میں اس کے پیش نظر تھا۔ وہ اس مقصد کے لئے یہاں آدمی تیار نہیں کرنا چاہتا تھا، جس کے لئے وہ اپنے ملک میں اپنی قوم کے لئے کرتا تھا۔ وہ یہاں ایسے لوگ تیار کرنا نہیں چاہتا تھا، جو ایک آزاد قومی حکومت چلانے کے لئے موزوں ہوں۔ یہ چیز تو وہ اپنے ملک میں چاہتا تھا، نہ کہ آپ کے ملک میں۔ آپ کے ملک میں جیسے آدمی تیار کرنا اس کے پیش نظر تھا، وہ یہ تھا کہ وہ باہر کی ایک مٹھی بھر قوم کو، جو ان کے ملک میں آ کر حکومت کر رہی تھی حکومت چلانے میں مدد دیں۔ اس کو ایسے آدمی درکار تھے جو اس کی زبان سمجھتے ہوں، جن سے وہ ربط اور

تعلق رکھ سکے اور کام لے سکے' جو اس کے ان اصولوں کو جانتے ہوں اور سمجھتے ہوں جن پر وہ ملک کا نظام چلانا چاہتا تھا اور جن میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ اس کے آلہ کار بن سکیں۔ یہ مقصد اس کے سامنے تھا اور اس مقصد ہی کے لئے اس نے یہ نظام رائج کیا۔

بے خدا تعلیم

اس نظام تعلیم میں اس نے جتنے علوم پڑھائے' ان میں اسلام کا کوئی شائبہ نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ خود یورپ میں ان سارے علوم کا جو ارتقاء ہوا تھا وہ تمام تر خدا سے پھرے ہوئے لوگوں کی رہنمائی میں ہوا تھا۔ جو مذہبی طبقہ وہاں موجود تھا وہ پہلے ہی فکر و عمل کے میدان سے بے دخل کیا جا چکا تھا اس لئے تمام علوم کا ارتقاء خواہ وہ سائنس ہو' خواہ وہ فلسفہ ہو' خواہ تاریخ ہو' خواہ عمرانیات ہو' ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو اگر خدا کے منکر نہ تھے تو کم از کم اپنی دنیوی زندگی میں خدا کی رہنمائی کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہ کرتے تھے۔ انگریز نے اپنے انہی علوم کو لا کر انہی کتابوں کے ساتھ آپ کے اس ملک میں رائج کیا اور آج تک انہی علوم کو اسی طرز پر یہاں پڑھایا جا رہا ہے۔ اس نظام تعلیم کے تحت جو لوگ پڑھتے رہے ان کا ذہن قدرتی طور پر بغیر اپنے کسی تصور اور اپنے کسی ارادے کے آپ سے آپ اس طرح بنتا چلا گیا کہ وہ دین سے اور دینی نقطہ نظر سے اور دینی اخلاق سے اور دینی فکر سے روز بروز بعید تر ہوتے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی تعلیم کے نقطہ آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تعلیم تک دنیا کے متعلق جتنی معلومات بھی حاصل کرے وہ ساری کی ساری خدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی ہوں' اس کے ذہن میں آخر خدا کا اعتقاد کیسے جڑ پکڑ سکتا ہے۔ اس کی درسی کتابوں میں خدا کا کہیں ذکر ہی نہ ہو' وہ تاریخ پڑھے تو اس میں پوری انسانی زندگی اپنی قسمت آپ ہی بناتی اور بگاڑتی نظر آئے وہ فلسفہ پڑھے تو اس میں کائنات کی گتھی خالق کائنات کے بغیر ہی سلجھانے کی کوشش ہو رہی ہو۔ وہ سائنس پڑھے تو اس میں سارا

کارخانہ ہستی کسی صانع حکیم اور ناظم مدبر کے بغیر چلتا ہوا دیکھا جائے۔ وہ قانون' سیاست' معیشت اور دوسرے علوم پڑھے تو ان میں سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ ہو کہ انسانوں کا خالق ان کے لئے زندگی کے کیا اصول اور احکام دیتا ہے' بلکہ ان سب کا بنیادی نظریہ ہی یہ ہو کہ انسان آپ ہی اپنی زندگی کے اصول بنانے کا حق رکھتا ہے۔ ایسی تعلیم پانے والے سے کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ تو خدا کا انکار کر۔ وہ آپ سے آپ خدا سے بے نیاز اور خدا سے بے فکر ہوتا چلا جائے گا۔

اخلاق سے خالی تعلیم

یہ تعلیم خدا پرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے ہی مگر غضب یہ ہے کہ وہ ہمارے ہاں کے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاقیات تک پیدا نہیں کرتی جن کے بغیر کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار' زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔ اس کے زیر اثر پرورش پا کر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاء اللہ پوری طرح آراستہ ہیں۔ مگر ان کی خوبیوں کی چھینٹ تک ان پر نہیں پڑی ہے۔ ان میں نہ فرض شناسی ہے' نہ مستعدی و جفاکشی' نہ ضبط اوقات' نہ صبر و ثبات' نہ عزم و استقلال' نہ باقاعدگی و باضابطگی' نہ ضبط نفس' نہ اپنی ذات سے بالا تر کسی چیز کی وفاداری' وہ بالکل خود رو درختوں کی طرح ہیں جنہیں دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان کا کوئی قومی کیریکٹر بھی ہے۔ ان کو معزز سے معزز پوزیشن میں ہو کر بھی کسی ذلیل سے ذلیل بد دیانتی اور بد کرداری کے ارتکاب میں دریغ نہیں ہوتا۔ ان میں بد ترین قسم کے رشوت خور' خویش پرور' سفارشیں کرنے والے اور سننے والے' بلیک مارکیٹنگ کرنے اور کرانے والے' ناجائز درآمد و برآمد کرنے اور کرانے والے' انصاف اور قانون اور ضابطے کا خون کرنے والے' فرائض سے جی چرانے اور لوگوں کے حقوق پر چھری چلانے والے' اور اپنے ذرا سے مفاد پر اپنی پوری قوم کے مفاد اور فلاح کو قربان کر دینے والے' ایک نہیں وہ ہزاروں کی تعداد میں' ہر شعبہ زندگی میں ہر جگہ آپ کو

کام کرتے نظر آتے ہیں۔ انگریز کے ہٹ جانے کے بعد مملکت کو چلانے کی ذمہ داری کا بار اسی تعلیم کے تیار کئے ہوئے لوگوں نے سنبھالا ہے اور چار پانچ سال ہی کے اندر ان بے سیرت کارکنوں کے ہاتھوں ملک کا جو حال ہوا ہے وہ آپ سب دیکھ رہے ہیں اور جو نسل اب ان تعلیم گاہوں میں پرورش پا رہی ہے اس کے اخلاق و کردار کا حال آپ جب چاہیں' درسگاہوں میں' ہوسٹلوں میں' تفریح گاہوں میں اور قومی تقریبات کے موقع پر بازاروں میں دیکھ سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس تعلیم پر خدا پرستی اور اسلامی اخلاق نہ سہی' آخر وہ اخلاق کیوں نہیں پیدا ہوتے جو انگریزوں میں' جرمنوں میں' امریکنوں میں اور دوسری ترقی یافتہ مغربی قوموں میں پیدا ہوتے ہیں' ان کے اندر بنیادی انسانی اخلاقیات تو بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں۔ یہاں وہ بھی مفقود ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی انسانی اخلاقیات پیدا کرنے کی فکر وہ نظام تعلیم کرتا ہے جو ایک آزاد قوم اپنے آزاد نظام زندگی کو چلانے کے لئے بناتی ہے۔ اس کو لامحالہ اپنے تمدن کے بقا اور ارتقاء کی خاطر ایسے کارکن تیار کرنے کی فکر ہوتی ہے جو مضبوط اور قابل اعتماد سیرت کے مالک ہوں۔ انگریز کو ایسے کارناموں کی ضرورت اپنے ملک میں تھی' نہ کہ آپ کے ملک میں۔ آپ کے ملک میں تو انگلستان کے برعکس اسے وہ اخلاق پیدا کرنے مطلوب تھے جو غلاموں میں ہونے چاہئیں۔ جو ان لوگوں میں ہونے چاہئیں جو اپنے ہاتھوں اپنے ہی ملک کو فتح کرکے اپنی قوم کے دشمنوں کے حوالے کر دیں اور پھر اپنے ملک کا نظم و نسق اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے چلا سکیں۔ اس کام کے لئے جیسے اخلاقیات کی ضرورت تھی ویسے ہی اخلاقیات انگریزوں نے یہاں پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہی کو پیدا کرنے کے لئے وہ تعلیمی مشینری بنائی جو آج تک جوں کی توں اسی شان سے چل رہی ہے اس مشین سے ایک آزاد ملک کے لئے مضبوط پرزے ڈھلنے کی اگر کوئی شخص توقع رکھتا ہے تو اسے پہلے اپنی عقل کے ناخن لینے کی فکر کرنی چاہئے۔

جدید تعلیم کے ساتھ دینیات کا جوڑ

انگریزی حکومت کے قیام کے بعد جب یہ نظام تعلیم ملک میں رائج ہوا اور ترقی و خوشحالی کے تمام دروازے ان لوگوں کے لئے بند کر دیئے گئے جو یہ تعلیم حاصل نہ کریں تو ہماری قوم کے صاحب فکر و تدبیر لوگوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ نظام تعلیم ہماری نئی نسلوں کو بالکل ہی نا مسلمان بنا کر نہ رکھ دے۔ اس لئے انہوں نے چاہا کہ اسی نظام کے تحت خود اپنے اہتمام میں قومی مدرسے اور کالج اور یونیورسٹیاں قائم کریں جن میں طلبہ کو پڑھایا تو وہی کچھ جائے جس کے لئے انگریز انہیں تیار کرنا چاہتا ہے' مگر ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم کا جوڑ بھی لگا دیا جائے تاکہ وہ بالکل کافر ہی ہو کر نہ رہ جائیں۔

یہ ایک اصلاح کی تجویز تھی اور خیال یہ کیا گیا تھا کہ اس طریقے سے ہم ان مسلمان نوجوانوں کو جو ہمارے اداروں میں آکر پڑھیں گے' ان برے اثرات سے کسی نہ کسی حد تک بچا سکیں گے جو انگریزی تعلیم سے پہنچنے کی توقع تھی۔ لیکن تجربے نے ثابت کر دیا اور عقل سے بھی آپ سوچیں تو یہی آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ اس طرح کے قلم لگانے سے حقیقت میں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ پیوندی انسان تیاری کرنے کی ایک عجیب کوشش تھی جو قطعاً" ناکام ہوئی اور قانون فطرت کے مطابق اس کو ناکام ہونا ہی چاہئے تھا۔

ایک طرف آپ ایک طالب علم کو تمام دنیوی علوم اس طریقے سے پڑھاتے ہیں کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ سارا کارخانہ بے خدا ہے اور خدا کے بغیر ہی چل رہا ہے اور خوب کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جو علم بھی وہ پڑھتا ہے اس کے اندر کہیں اس کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس کارخانہ دنیا میں یا اس کارخانہ زندگی میں کہیں خدا کا کوئی مقام ہے' کہیں رسول کا کوئی مقام ہے' کہیں وحی کی کوئی حاجت ہے۔ سارے کے سارے نظام زندگی کو وہ اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد یکایک آپ دینیات کی

کلاس میں لے جا کر اس کو بتاتے ہیں کہ خدا بھی ہے اور رسول بھی ہے اور وحی بھی آتی ہے اور کتابیں بھی آتی ہیں۔ آپ خود غور کیجئے کہ دنیا کے مجموعی تصور سے الگ اور بالکل بے تعلق کر کے یہ اطلاع جو آپ اس کو دے رہے ہیں اس کو وہ اس مجموعے میں آخر کہاں نصب کرے گا؟ کس طرح آپ ہر طالب علم سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ کائنات اور زندگی کے بے خدا تصور کے ساتھ دینیات کی یہ پوٹلی جو آپ الگ سے اس کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں' اسے وہ کھول کر روز کے روز دوسرے اجزائے علم کے ساتھ ترکیب دیتا رہے گا اور خود بخود اپنے ذہن میں ایک دوسرا با خدا تصور مرتب کرتا رہے گا۔

پھر اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے قومی خرچ پر جو درس گاہیں قائم کیں ان میں بھی ہم نے وہی سارا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جو سرکاری درسگاہوں میں تھا۔ ہم نے کوشش کی کہ ہمارے طلبہ انگریزی بولیں اور انگریزی لباس پہنیں۔ ہم نے کوشش کی کہ وہ انگریزی کلچر ہی کے رنگ میں رنگے جائیں۔ ہم نے کھیلوں میں اور نشست و برخاست میں اور رہنے سہنے میں اور مسائل پر بحثوں میں' غرض ہر چیز میں یہی کوشش کی کہ ہماری یہ قومی درسگاہیں کسی طرح بھی سرکاری درسگاہوں سے مختلف نہ ہوں۔ بالکل اسی معیار کے آدمی یہاں سے نکلیں جیسے سرکاری درس گاہوں سے نکلتے ہیں اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ انگریزی معیار کے لحاظ سے سرکاری درسگاہوں سے نکلے ہوئے لوگوں سے کسی طرح بھی کم تر ہیں۔ جب یہ مقصد ہمارے سامنے تھا اور اسی کی خاطر ہم نے پورا فرنگیت کا ماحول طاری کرنے کی کوشش کی تو اس ماحول کے اندر اسلام کی وہ ذرا سی قلم جو ہم نے لگائی وہ آخر اپنا کیا رنگ دکھا سکتی تھی۔ تعلیمی حیثیت سے وہ نہایت کمزور تھی۔ دوسرے کسی نصاب تعلیم سے اس کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ جتنے دلائل ایسے ہو سکتے تھے جو خدا پرستی کے لئے کار آمد ہوتے وہ سارے کے سارے دلائل ہم نے نا خدا پرستی اور نا خدا شناسی کے لئے فراہم کر کے دیئے۔ اس پر مزید ہم نے یہ کیا کہ اپنے قومی کالجوں میں بھی سرکاری کالجوں کی

طرح زندگی کا پورا ماحول ذہنی تربیت کا پورا نظام ایسا رکھا جو اسلام کے اس کمزور سے پیوند کے بجائے فرنگیت اور الحاد کے لئے ہی سازگار تھا۔ اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جو اس پیوند کو غذا دینے والی ہو' بلکہ ہر چیز عین اس کی فطرت کے خلاف تھی۔ یہ سب کچھ کر کے ہم نے معجزے کی توقع رکھتے تھے کہ دینیات کی اس تعلیم سے حقیقت میں کوئی دینی جذبہ پیدا ہو گا' کوئی دینی رجحان نشوونما پائے گا' اسلام کی کوئی قدر و قیمت لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گی اور ان کے اندر اسلامی کیریکٹر پیدا ہو گا' حالانکہ قانون فطرت کے مطابق اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا اور یہی عملاً" برآمد ہوا کہ جن طلبہ کو اس طریقے سے دینیات کی تعلیم دی گئی' ان کی نگاہوں سے دین گر گیا اور ان کی دینی حالت مشن کالجوں اور گورنمنٹ کالجوں سے زیادہ بدتر ہو گئی۔ یہ واقعہ ہے کہ ہمارے کالجوں میں بالعموم دینیات کا گھنٹہ تفریح اور مذاق کا گھنٹہ رہا ہے اور اس نے دلوں میں ایمان پیدا کرنے کے بجائے رہے سہے ایمان کا بھی خاتمہ کر دینے کی خدمت انجام دی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہم خود اپنی اولاد کے سامنے اپنے دین کو تمام دوسرے مضامین سے حقیر تر بنا کر پیش کریں گے تو اس کی کم سے کم سزا جو قدرت کی طرف سے ہمیں ملنی چاہئے وہ یہی ہے کہ ہمارے بچے ہماری آنکھوں کے سامنے ملحد اور زندیق بن کر اٹھیں اور اپنے ان بزرگوں کو احمق سمجھیں جو خدا اور رسول اور آخرت کو مانتے تھے۔

اصلاح کی غلط تدبیریں

یہ نتائج آج سے ۱۷' ۱۸ برس پہلے پوری شدت کے ساتھ نمایاں ہو چکے تھے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ۳۴ء' ۳۵ء کے زمانے میں یکایک یہ شور برپا ہوا کہ آخر ہماری قومی درسگاہوں سے ملاحدہ اور الحاد و دہریت کے مبلغین اس کثرت سے کیوں پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ شکایت خاص طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بارے میں تھی' جہاں عام اندازے کے مطابق نوے فی صدی طلباء الحاد اور دہریت میں مبتلا تھے۔ جب یہ واقعات

پھیلنے شروع ہوئے اور سارے ملک میں اس کے متعلق مضامین لکھے جانے لگے تو ایک کمیٹی بٹھائی گئی جس نے اس مسئلے پر غور کیا۔ اس وقت یہ خیال قائم کیا گیا کہ دینیات کے عنصر کو پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ کر دینے سے کام چل جائے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کچھ اصلاحات تجویز کی گئیں اور کچھ نئے نصاب بھی مرتب کئے گئے۔ لیکن یہ اصلاح کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوئی اور اس وقت سے آج تک صورت حال میں کوئی فرق رونما نہیں ہوا۔

میرا اسی وقت یہ اندازہ تھا اور میں نے "ترجمان القرآن" میں اسے لکھ بھی دیا تھا کہ ان تدبیروں سے آپ کوئی مفید نتیجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ آج میں اس کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ ہمارے ارباب اقتدار' جن کے ہاتھ میں ہمارا نظام تعلیم ہے اور جو وقتاً" فوقتاً" ہمیں اسلامی نظام تعلیم کے قیام کی خوشخبری سناتے رہتے ہیں' اسی غلطی کا پھر اعادہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔ ان کے پیش نظر بھی حقیقت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ یہاں وہی پرانا طرز تعلیم جو انگریز کے وقت سے چلا آ رہا ہے' اسی طرح قائم ہے اور اس کے اندر بس دینیات کے عنصر کو ذرا بڑھا دیا جائے۔ اس لئے جو بات میں نے آج سے چند برس پہلے کی تھی آج پھر میں اسے دہراتا ہوں۔ میرے نزدیک اس سے بڑی دنیا میں کوئی غلطی نہیں ہے کہ کسی نظام تعلیم میں دو بالکل متضاد عناصر شامل کر دیئے جائیں ۔ ایسے متضاد عناصر جو ایک دوسرے کے ساتھ مزاحمت کرنے والے اور ایک دوسرے کی تردید کرنے والے ہوں اس طرح کی آمیزش فساد ذہنی کے سوا اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔

فرض کیجئے کہ اس آمیزے میں آپ نے دینی تعلیم کے عنصر کو پچاس فیصدی کر دیا اور باقی پچاس فیصدی آپ کی تعلیم انہی بنیادوں پر رہی جن پر انگریز یہاں قائم کر گیا ہے' تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر طالب علم کا دماغ ایک رزم گاہ بن جائے گا۔ بلکہ ہر طالب علم کی زندگی ایک رزم گاہ بن جائے گی۔ پھر اگر آپ نے اپنے کالجوں میں جہاں تک کہ تعلیمی نصاب کا تعلق ہے' دینیات کا عنصر پچاس فیصدی بھی رکھ دیا' مگر سارا

تعلیمی ماحول اور آپ کے کالجوں کی ساری فضا ویسی کی ویسی فرنگیانہ رہی جیسی کہ انگریز کے دور میں تھی' اور یہ آپ کی مملکت بھی انہی بنیادوں پر چلتی رہی جن پر انگریز ان کو قائم کر گیا تھا' تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ کی درسگاہوں سے تین قسم کے آدمی نکلیں گے۔ ایک قسم کے تو وہ ہوں گے جو دینیات کی تعلیم پانے کے باوجود پھر بھی ملحد ہوں گے کیوں کہ ایک دوسرا مخالف دین عنصر بھی آپ کے نظام تعلیم میں موجود ہو گا اور اس کی پشت پر نہ صرف کالج کے ماحول کی طاقت ہو گی بلکہ آپ کی مملکت کا ماحول بھی اسی کے لئے مددگار ہو گا اور مزید بر آں دنیا کی طاقتور سلطنتوں کا بین الاقوامی ماحول بھی اس کے لئے سازگار رہے گا۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو دینیات کی تعلیم کا اثر قبول کر کے اسلام ہی کو اپنے دین کی حیثیت سے پسند کریں گے۔

اور تیسری قسم کے لوگ ایسے نکلیں گے جو اسلام اور کفر کے درمیان مذبذب رہیں گے۔ نہ پورے مسلمان ہی ہوں گے نہ پورے کافر۔

یہ ہیں اس طرح کی آمیزشیں کرنے کے لازمی نتائج۔ اگر آپ اس کا تجزیہ کریں گے تو خود دیکھ لیں گے کہ اس سے آپ کی قوم میں تین مختلف قسم کے عناصر پیدا ہو جائیں گے جو کسی تہذیب اور کسی نظام زندگی کو بھی نشوونما دینے میں یکسوئی کے ساتھ تعاون نہ کر سکیں گے۔ پھر کیا ایک ملک کا نظام تعلیم اسی غرض کے لئے بنایا جاتا ہے کہ وہ ملک میں ایک ذہنی کباڑ خانہ فراہم کرے؟

ایک انقلابی قدم کی ضرورت

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ اگر فی الواقع ہم ایک اسلامی نظام تعلیم قائم کرنا چاہتے ہیں تو محض مرمتیں اور داغ دوزیاں کرنے سے کام نہیں چل سکتا' بلکہ اس کے لئے ایک انقلابی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ وہ دونوں نظام تعلیم ختم کر دیئے

جائیں جو اب تک ہمارے ہاں رائج رہے ہیں۔ پرانا مذہبی نظام تعلیم بھی ختم کیا جائے اور یہ موجودہ نظام تعلیم بھی جو انگریز کی رہنمائی میں قائم ہوا تھا۔ ان دونوں کی جگہ ہمیں ایک نیا نظام تعلیم بنانا چاہئے جو ان نقائص سے پاک ہو اور ہماری ان ضرورتوں کو پورا کر سکے جو ہمیں ایک مسلمان قوم اور ایک آزاد قوم اور ایک ترقی کی خواہش مند قوم کی حیثیت سے اس وقت لاحق ہیں۔ اسی نظام تعلیم کا نقشہ اور اس کے قائم کرنے کا طریقہ میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں:

مقصد کا تعین

اس نئے نظام تعلیم کی تشکیل میں اولین چیز جسے ہم کو سب سے پہلے طے کرنا چاہئے یہ ہے کہ ہمارے پیش نظر مقصد کیا ہے؟ بعض لوگوں کے نزدیک تعلیم کا مقصد بس علم حاصل کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو بالکل ایک غیر جانب دار تعلیم دی جانی چاہئے تاکہ وہ زندگی کے مسائل اور معاملات اور حقائق کا بالکل ایک جیسا معروضی مطالعہ (Objective Study) کریں اور آزادانہ نتائج اخذ کر سکیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس طرح کا معروضی مطالعہ صرف فوٹو کے کیمرے کیا کرتے ہیں' انسان نہیں کر سکتے۔ انسان ان آنکھوں کے پیچھے ایک دماغ بھی رکھتا ہے جو بہرحال اپنا ایک نقطہ نظر رکھتا ہے' زندگی میں اپنا ایک مقصد رکھتا ہے' مسائل کے متعلق سوچنے کا ایک طرز رکھتا ہے اور وہ جو کچھ بھی دیکھتا ہے' جو کچھ بھی سنتا ہے' جو کچھ بھی معلومات حاصل کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے' اسے اپنی اس فکر کے سانچے میں ڈھالتا جاتا ہے' جو اس کے اندر بنیادی طور پر موجود ہوتی ہے۔ پھر اسی فکر کی بنیاد پر اس کا وہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے جس کو ہم اس کی کلچر کہتے ہیں۔ اب اگر ہم اپنی ایک کلچر رکھتے ہیں اور ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کے اپنے کچھ عقائد ہیں جس کا اپنا ایک نظریہ زندگی ہے' جس کا اپنا ایک نصب العین ہے' جو اپنی زندگی کے کچھ اصول رکھتی ہے' تو لازماً" ہمیں اپنی نسلوں کو اس غرض کے لئے تیار کرنا چاہئے کہ وہ ہماری اس کلچر کو نہ صرف

یہ کہ زندہ رکھیں بلکہ آگے انہی بنیادوں پر اسے ترقی دیں جن پر ہماری یہ کلچر قائم ہے۔ دنیا کی ہر قوم اسی غرض کے لئے اپنا مستقل نظام تعلیم قائم کیا کرتی ہے۔ مجھے کوئی قوم ایسی معلوم نہیں ہے۔ جس نے اپنا نظام تعلیم خالص معروضی بنیادوں پر قائم کیا ہو اور اپنی نسلوں کو بے رنگ تعلیم دینے کی کوشش کی ہو۔ اسی طرح مجھے ایسی بھی کوئی قوم معلوم نہیں ہے جو دوسروں سے ان کا نظام تعلیم جوں کا توں لے لیتی ہو اور اپنی تہذیب کا کوئی رنگ اس میں شامل کیے بغیر اسی سانچے میں اپنی نئی نسلوں کو ڈھالتی چلی جاتی ہو۔ یہ حماقت اگر پہلے ہم کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے کر رہے تھے تو اب اسے حسب سابق جاری رکھنے کے کوئی معنی نہیں۔ اب تو ہمارا نظام زندگی ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اب لازماً" ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب اور ہمارے دین کے سوا اور کیا ہے؟ لہٰذا ہمارے دین کو اچھی طرح سمجھتے ہوں' اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں' اس کے اصولوں کو ٹھیک ٹھیک جانتے ہوں اس کے مطابق سیرت اور قابل اعتماد اخلاق رکھتے ہوں اور اس قابلیت کے مالک ہوں کہ ہماری اجتماعی زندگی کے پورے کارخانے کو ہماری اس تہذیب کے اصولوں پر چلا سکیں اور مزید ترقی دے سکیں۔

دین و دنیا کی تفریق مٹادی جائے

دوسری چیز جو ہمیں اپنے نظام تعلیم میں بطور اصول کے پیش نظر رکھنی چاہئے اور اسی کی بنیاد پر ہمارا نظام تعلیم بننا چاہئے' وہ یہ ہے کہ ہم اس دین اور دنیا کی تفریق ختم کر دیں۔ دین اور دنیا کی تفریق کا تخیل ایک عیسائی تخیل ہے یا بدھ مذہب یا ہندوؤں اور جوگیوں کا ہے۔ اسلام کا تخیل اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے لئے اس سے بڑی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنے نظام تعلیم میں' اپنے تمدن میں اور اپنے نظام مملکت میں اس دین اور دنیا کی تفریق کے تخیل کو قبول کر لیں۔ ہم اس کے بالکل قائل نہیں ہیں کہ ہماری ایک تعلیم دنیوی ہو اور ایک تعلیم دینی۔ اس کے برعکس ہم

تو اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری پوری کی پوری تعلیم بیک وقت دینی بھی ہو اور دنیوی بھی۔ دنیوی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو سمجھیں اور دنیا کے کام چلانے کے قابل ہوں اور دینی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو دین ہی کے نقطہ نظر سے سمجھیں اور دین کی ہدایت کے مطابق اس کا سارا کام چلائیں۔ اسلام وہ مذہب نہیں ہے جو آپ سے یہ کہتا ہو کہ دنیا کا کام آپ جس طرح چاہیں چلاتے رہیں اور بس اس کے ساتھ چند عقائد اور عبادات کا ضمیمہ لگائے رہیں۔ اسلام زندگی کا محض ایک ضمیمہ بننے پر کبھی قانع نہ تھا اور نہ آج ہے۔ وہ تو پوری زندگی میں آپ کا رہنما اور پوری زندگی کے لئے آپ کا طریق عمل بننا چاہتا ہے' وہ دنیا سے الگ محض عالم بالا کی باتیں نہیں کرتا بلکہ پوری دنیا کے مسئلے سے بحث کرتا ہے۔ وہ آپ کو بتاتا ہے کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ اس دنیا میں آپ کس غرض کے لئے آئے ہیں۔ آپ کا مقصد زندگی کیا ہے' کائنات میں آپ کی اصلی پوزیشن کیا ہے اور اس دنیا میں آپ کو کس طریقے سے' کن اصولوں پر کام کرنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے آخرت میں جو کچھ بھی آپ کو پھل ملنے والے ہیں وہ اس بات پر منحصر ہیں کہ دنیا کی اس کھیتی میں آپ کیا بوتے ہیں۔ اس کھیتی کے اندر زراعت کرنا وہ آپ کو سکھاتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں آپ کا سارا طرز عمل کیا ہو' جس کے نتیجے میں آپ کو آخرت کا پھل ملے۔ اس قسم کا ایک دین کیسے یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ آپ کے ہاں ایک تعلیم دنیوی ہو اور دوسری دینی' یا ایک دنیوی تعلیم کے ساتھ محض ایک مذہبی ضمیمہ لگا دیا جائے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ آپ کی پوری تعلیم دینی نقطہ نظر سے ہو۔ اگر آپ فلسفہ پڑھیں تو دینی نقطہ نظر سے پڑھیں تا کہ آپ ایک مسلمان فلاسفر بن سکیں۔ آپ تاریخ پڑھیں تو مسلمان کے نقطۂ نگاہ سے پڑھیں تا کہ آپ ایک مسلمان مورخ بن سکیں۔ آپ سائنس پڑھیں تو ایک مسلم سائنٹسٹ بن کر اٹھیں۔ آپ معاشیات پڑھیں تو اس قابل بنیں کہ اپنے ملک کے پورے معاشی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ آپ سیاسیات پڑھیں تو اس لائق بنیں کہ اپنے ملک کا نظام حکومت اسلام کے اصولوں

پر چلا سکیں۔ آپ قانون پڑھیں تو اسلام کے معیار عدل و انصاف پر معاملات کے فیصلے کرنے کے لائق ہوں۔ اس طرح اسلام دین و دنیا کی تفریق مٹا کر پوری کی پوری تعلیم کو دینی بنا دینا چاہتا ہے۔ اس کے بعد کسی جداگانہ مذہبی تعلیم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کے یہی کالج آپ کے لئے امام اور مفتی اور علمائے دین بھی تیار کریں گے اور آپ کی قومی حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے سیکرٹری اور ڈائریکٹر بھی۔

تشکیل سیرت

تیسری بنیادی چیز جو نئے نظام تعلیم میں ملحوظ رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس میں تشکیل سیرت کو کتابی علم سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ محض کتابیں پڑھانے اور محض علوم و فنون سکھا دینے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے ایک نوجوان کے اندر اسلامی کیریکٹر پیدا ہو' اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت پیدا ہو۔ خواہ وہ انجینئر ہو خواہ وہ سائنٹسٹ ہو' خواہ وہ کوئی علوم عمران کا ماہر ہو' خواہ وہ ہماری سول سروس کے لئے تیار ہو رہا ہو' جو بھی ہو اس کے اندر اسلامی ذہنیت اور اسلامی کیریکٹر ضرور ہونا چاہئے۔ یہ چیز ہماری تعلیمی پالیسی کے بنیادی مقاصد میں شامل ہونی چاہئے۔ جس آدمی میں اسلامی اخلاق نہیں وہ چاہے جو کچھ ہو' بہرحال ہمارے کسی کام کا نہیں۔

عملی نقشہ

ان اصولی باتوں کی وضاحت کے بعد اب میں تفصیل کے ساتھ یہ بتاؤں گا کہ وہ اسلامی نظام تعلیم جس کو ہم یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں' اس کا عملی نقشہ کیا ہے۔

ابتدائی تعلیم

سب سے پہلے تو ابتدائی تعلیم کو لیجئے جو اس عمارت کی بنیاد ہے۔ اس تعلیم میں

وہ سب مضامین پڑھائیے جو آج کے پرائمری اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں ابتدائی تعلیم کے متعلق جتنے تجربات کیے گئے ہیں اور آئندہ کیے جائیں ان سب سے فائدہ اٹھائیے' لیکن چار چیزیں ایسی ہیں جو اس کے ہر مضمون میں پیوست ہونی جائیں۔

اول یہ کہ بچے کے ذہن میں ہر پہلو سے یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ دنیا ایک خدا کی سلطنت اور ایک خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہاں ہم خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے مامور ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے خدا کی امانت ہے' جو ہمارے حوالے کی گئی۔ اس امانت کے معاملے میں ہم خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہاں ہر طرف جدھر بھی نگاہ ڈالی جائے ادھر آیات الٰہی پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ ایک حکمران ہے جو ان سب پر حکومت کر رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کے لئے جس وقت بچہ داخل ہو اس وقت سے لے کر پرائمری سکول کے آخری مرحلہ تک دنیا سے اس کو آشنا اور روشناس ہی اس طرز پر کیا جاتا رہے کہ ہر سبق کے اندر یہ تصورات شامل ہوں۔ حتیٰ کہ وہ الف سے ایٹم بم نہ سیکھے بلکہ اللہ سیکھے۔ یہ وہ چیز ہے جو بچوں میں اول روز سے اسلامی ذہنیت پیدا کرنی شروع کر دے گی اور ان کو اس طرح سے تیار کرے گی کہ آخری مراحل تعلیم تک' جب کہ وہ ڈاکٹر بنیں گے' یہی بنیاد اور یہی جڑ کام دیتی رہے گی۔

دوم یہ کہ اسلام جن اخلاقی تصورات اور اخلاقی اقدار کو پیش کرتا ہے انہیں ہر مضمون کے اسباق میں' حتیٰ کہ حساب کے سوالات تک میں' طرح طرح سے بچوں کے ذہن نشین کیا جائے' وہ جن چیزوں کو نیکی اور بھلائی کہتا ہے ان کی قدر اور ان کے لئے رغبت اور شوق بچوں کے دل میں پیدا کیا جائے اور وہ جن کو برائی قرار دیتا ہے ان کے لیے ہر پہلو سے بچوں کے دل میں نفرت بٹھائی جائے۔ آج ہماری قوم میں جو لوگ رشوتیں کھا رہے ہیں' جو لوگ بد دیانتیاں اور خیانتیں کر رہے ہیں وہ سب انہی درسگاہوں سے پڑھ کر نکلے ہیں اور آگے جا کر وہی قوم کے ساتھ یہ کچھ بے ایمانیاں

کرنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو طوطے مینا اور گلے جیل کے سبق پڑھائے گئے تھے۔ اخلاقی سبق نہیں پڑھائے گئے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں ہر طالب علم کو جو تعلیم دی جائے اس کے اندر اخلاقی مضامین شامل ہوں۔ اس کے اندر حرام طریقوں سے مال کمانے اور کھانے والوں پر سخت تنقید کی جائے اور اس کے برے نتائج بچوں کے ذہن نشین کرائے جائیں۔ اس کے اندر جھوٹ سے' دھوکے اور فریب سے' خود غرضی اور نفس پرستی سے' چوری اور جعلسازی سے' بد عہدی اور خیانت سے' شراب اور سود اور قمار بازی سے' ظلم اور بے انصافی اور لوگوں کے حق مارنے سے سخت نفرت دلائی جائے اور بچوں کے اندر ایک ایسی رائے عام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ جس شخص میں بھی وہ اخلاقی برائیوں کا اثر پائیں اس کو بری نگاہ سے دیکھیں' اور اس کے متعلق برے خیالات کا اظہار کریں۔ یہاں تک کہ انہی درسگاہوں سے فارغ ہو کر اگر آگے کوئی شخص ایسا نکلے جو ان برائیوں میں مبتلا ہو تو اس کے اپنے ساتھی اس کو لعنت ملامت کرنے والے ہوں' نہ کہ داد دینے والے اور ساتھ دینے والے۔ اسی طرح ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ نیکیاں جن کو اسلام انسان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے' ان کو درسیات میں بیان کیا جائے' ان کی طرف رغبت دلائی جائے' ان کی تعریف کی جائے' ان کے اچھے نتائج تاریخ سے نکال نکال کر بتائے جائیں اور عقل سے ان کے فائدے سمجھائے جائیں کہ یہ نیکیاں حقیقت میں انسانیت کے لئے مطلوب ہیں اور انسانیت کی بھلائی انہی کے اندر ہے۔ بچوں کو دلنشین طریقے سے بتایا جائے کہ وہ اصل خوبیاں کیا ہیں جو ایک انسان کے اندر ہونی چاہئیں اور ایک بھلا آدمی کیسا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ان کو صداقت اور دیانت کا' امانت اور پاس عہد کا' عدل و انصاف اور حق شناسی کا' ہمدردی اور اخوت کا' ایثار اور قربانی کا' فرض شناسی اور پابندی حدود کا' اکل حلال اور ترک حرام کا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرنے کا سبق دیا جائے اور عملی تربیت سے بھی اس امر کی کوشش کی جائے کہ بچوں میں یہ اوصاف نشوونما پائیں۔

سوم یہ کہ ابتدائی تعلیم میں ہی اسلام کے بنیادی حقائق اور ایمانیات بچوں کے ذہن نشین کرا دیے جائیں۔ اس کے لئے اگر ایک الگ دینیات کے کورس کی ضرورت محسوس ہو تو وہ بنایا جا سکتا ہے' لیکن بہر حال صرف اسی ایک کورس پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان ایمانیات کو دوسرے تمام مضامین میں بھی روح تعلیم کی حیثیت سے پھیلا دیا جائے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہر مسلمان بچے کے دل میں توحید کا عقیدہ' رسالت کا عقیدہ' آخرت کا عقیدہ' قرآن کے برحق ہونے کا عقیدہ' شرک اور کفر اور دہریت کے باطل ہونے کا عقیدہ پوری قوت کے ساتھ بٹھا دیا جائے اور یہ تلقین ایسے طریقے سے ہونی چاہیے کہ بچہ نہ محسوس کرے کہ یہ کچھ دعوٰی اور کچھ تحکمات ہیں جو اس سے منوائے جا رہے ہیں' بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ یہی کائنات کی معقول ترین حقیقتیں ہیں' ان کا جاننا اور ماننا انسان کے لئے ضروری ہے اور ان کو مانے بغیر آدمی کی زندگی درست نہیں ہو سکتی۔

چہارم یہ کہ بچے کو اسلامی زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے جائیں اور اس سلسلے میں وہ تمام فقہی مسائل بیان کر دیے جائیں جو ایک دس برس کے لڑکے اور لڑکی کو معلوم ہونے چاہئیں۔ طہارت و پاکیزگی کے احکام' وضو کے مسائل' نماز اور روزے کے طریقے' حرام اور حلال کے ابتدائی حدود' والدین اور رشتہ داروں اور ہمسائیوں کے حقوق' کھانے پینے کے آداب' لباس کے حدود' معاشرتی زندگی کے پسندیدہ اطوار' یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر مسلمان بچے کو معلوم ہونی چاہئیں۔ ان کو صرف بیان ہی نہ کیا جائے بلکہ ایسے طریقے سے ذہن نشین کیا جائے جس سے بچے یہ سمجھیں کہ ہمارے لئے یہی احکام ہونے چاہئیں' یہ احکام بالکل برحق ہیں اور ہم کو ایک ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے ان احکام کا پابند ہونا چاہیے۔

ثانوی تعلیم

اس کے بعد اب ہائی سکول کی تعلیم کو لیجئے۔ اس مرحلے میں سب سے پہلی چیز

جسے میں ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ عربی زبان کو بطور لازمی زبان پڑھایا جائے۔ اسلام کے اصل ماخذ سارے کے سارے عربی زبان میں ہیں' قرآن عربی زبان میں ہے' حدیث عربی زبان میں ہے' ہمارے ابتدائی صدیوں کے فقہا اور علماء نے جتنا کام کیا ہے ان کی ساری کتابیں بھی عربی زبان میں ہیں۔ اسلامی تاریخ کے اصل ماخذ بھی عربی زبان ہی میں ہیں۔ کوئی شخص اسلام کی سپرٹ پوری طرح سے نہیں سمجھ سکتا اور نہ پوری طرح سے اس میں اسلامی ذہنیت پیوست ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ قرآن کو براہ راست اس کی اپنی زبان میں نہ پڑھے۔ محض ترجموں سے کام نہیں چلتا۔ اگرچہ ہم چاہتے ہیں کہ ترجمے بھی پھیلیں تاکہ ہمارے عوام الناس کم از کم یہ جان لیں کہ ہمارا خدا ہمیں کیا حکم دیتا ہے لیکن ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں میں کوئی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو عربی زبان سے ناواقف ہو' اس لئے ہم عربی کو بطور ایک لازمی مضمون کے شامل کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک شخص جب ہائی سکول سے فارغ ہو کر نکلے تو اس کو اتنی عربی آتی ہو کہ وہ ایک سادہ عربی عبارت کو صحیح پڑھ اور سمجھ سکے۔

ثانوی تعلیم کا دوسرا لازمی مضمون قرآن مجید ہونا چاہئے جس کے کم از کم دو پارے ہر میٹرک پاس طالب علم اچھی طرح سمجھ کر پڑھ چکا ہو۔ وقت بچانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے کہ ہائی اسکول کے آخری مرحلوں میں عربی زبان قرآن ہی کے ذریعے پڑھائی جائے۔

تیسرا لازمی مضمون اسلامی عقائد کا ہونا چاہئے جس میں طلبہ کو نہ صرف ایمانیات کی تفصیل سے آگاہ کیا جائے بلکہ انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ ہمارے پاس ان عقائد کے دلائل کیا ہیں' انسان کو ان کی ضرورت کیا ہے۔ انسان کی عملی زندگی سے ان کا ربط کیا ہے۔ ان کے ماننے یا نہ ماننے کے کیا اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اور ان عقائد پر ایمان لانے کے اخلاقی اور عملی تقاضے کیا ہیں۔ یہ امور ایسے طریقے سے طلبہ کے ذہن نشین کئے جائیں کہ وہ محض باپ دادا کے مذہبی عقائد ہونے کی حیثیت سے ان کو نہ مانیں بلکہ یہ ان کی اپنی رائے بن جائیں۔

اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقیات کو بھی ابتدائی تعلیم کی بہ نسبت ثانوی تعلیم میں زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے اور تاریخ سے نظیریں پیش کرکے یہ بات ذہن نشین کی جائے کہ اسلام کے یہ اخلاقیات محض خیالی اصول اور نظریے نہیں ہیں بلکہ عملاً" اس سیرت و کردار کے لوگ مسلم سوسائٹی میں پائے جاتے رہے ہیں۔ اس تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ میں ایک ایسی رائے عام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام جن اوصاف کی مذمت کرتا ہے طلبہ خود ان اوصاف کو برا سمجھیں، ان سے بچیں اور اپنی سوسائٹی میں ان صفات کے لوگوں کو ابھرنے نہ دیں اور اسلام جن اوصاف کو محمود اور مطلوب قرار دیتا ہے ان کو وہ خود پسند کریں، ان کو اپنے اندر نشوونما دیں اور ان کی سوسائٹی میں انہی اوصاف کے لوگوں کی ہمت افزائی ہو۔

میٹرک کے معیار تک پہنچتے پہنچتے ایک بچہ جوان ہو چکا ہوتا ہے اس مرحلے میں اس کو اسلامی زندگی کے متعلق ابتدائی تعلیم کی بہ نسبت زیادہ تفصیلی احکام جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں اس کو شخصی اور ذاتی زندگی، خاندانی زندگی اور تمدن اور معاشرت اور لین دین کے متعلق ان تمام ضروری احکام سے واقف ہونا چاہئے جو کہ ایک جوان آدمی کے لئے درکار ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ ان احکام کو اتنی تفصیل کے ساتھ جانے کہ مفتی بن جائے لیکن اس کی معلومات اتنی ضرور ہونی چاہئیں کہ وہ اس معیار کی زندگی بسر کر سکے جو ایک مسلمان کا معیار ہونا چاہئے۔ یہ کیفیت تو نہ ہو کہ ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی نکاح و طلاق کے متعلق کوئی علم نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات وہ شدید غلطیاں کر جاتے ہیں اور پھر مسئلے پوچھتے پھرتے ہیں۔ یا لین دین کے متعلق معمولی مسائل سے بھی ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ناواقف ہوتے ہیں اور اسلامی احکام کے مطابق چلنے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس لئے غلطیاں کرتے ہیں کہ ان کو احکام معلوم نہیں ہوتے۔

تاریخ کی تعلیم میں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہائی اسکول کا ہر طالب علم نہ صرف اپنے ملک کی تاریخ پڑھے بلکہ اسلام کی تاریخ سے بھی واقف ہو۔ اس کو

تاریخ انبیاء سے واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ جان لے کہ اسلام ایک ازلی و ابدی تحریک ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں یکایک شروع نہیں ہو گئی تھی اس کو سیرت نبوی اور سیرت خلفائے راشدین سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ ان مثالوں سے روشناس ہو جائے جو اس کے لئے معیار انسانیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد سے اب تک کی تاریخ کا ایک مکمل خاکہ اس کے سامنے آجانا چاہیے تاکہ وہ جان لے کہ مسلمان قوم کن کن مراحل سے گزرتی ہوئی موجودہ دور تک پہنچی ہے' یہ تاریخی معلومات نہایت ضروری ہیں۔ جس قوم کے نوجوانوں کو خود اپنے ماضی کا علم نہ ہو اس کے اندر اپنی قومی تہذیب کا احترام کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس تعلیم کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہائی اسکول کے مرحلے میں طلبہ کی عملی تربیت کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے۔ مثلاً" ہائی اسکول میں کوئی مسلمان طالب علم ایسا نہیں ہونا چاہیے جو نماز کا پابند نہ ہو۔ طلبہ کے اندر ایسی رائے عام پیدا کی جانی چاہیے کہ وہ اپنے درمیان ایسے طالب علموں کو برداشت نہ کریں جو نماز کے پابند نہ ہوں اور ازروئے قاعدہ بھی کوئی طالب علم ایسا مدرسے میں نہ رہ سکے جو مدرسے کے اوقات میں نماز نہ پڑھتا ہو۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ نماز ہی بنیاد ہے جس پر عملاً" اسلامی زندگی قائم ہوتی ہے یہ بنیاد منہدم ہو جانے کے بعد اسلامی زندگی ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لحاظ سے بھی آپ کو سوچنا چاہیے کہ ایک طرف آپ ایک طالب علم کو یہ بتاتے ہیں کہ نماز فرض ہے' یہ خدا نے تجھ پر فرض کی ہے۔ دوسری طرف آپ اپنے عملی برتاؤ سے روز یہ بات اس کے ذہن نشین کرتے ہیں کہ اس فرض کو فرض جانتے اور مانتے ہوئے بھی اگر تو ادا نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ اسے روزانہ منافقت کی اور ڈیوٹی سے فرار کی اور ضعف سیرت کی مشق کرا رہے ہیں۔ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ یہ تعلیم و تربیت پا کر جب وہ نکلے گا تو آپ کے تمدن اور آپ کی ریاست کا فرض شناس کارکن ثابت ہو گا؟ جی نہیں' ایک فرض کی چوری میں مشاق ہو کر وہ پھر دوسرے فرائض میں سے چرائے گا۔ اسٹیٹ کے

فرائض میں سے چرائے گا۔ ہر فرض کے اندر سے کچھ نہ کچھ چوری کرکے رہے گا۔
اس صورت میں آپ کو اسے ملامت نہ کرنی چاہیئے بلکہ اس نظام تعلیم کو ملامت کرنی
چاہیئے جس نے اول روز سے اس کو یہ سکھایا تھا کہ فرض ایک ایسی چیز ہے جس کو
فرض جاننے کے بعد بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ اپنے نوجوانوں کو خدا سے بے وفائی
سکھانے کے بعد آپ یہ ہرگز امید نہ رکھیں کہ وہ قوم' ملک' ریاست کسی چیز کے بھی
مخلص اور وفادار ہوں گے۔ تعلیم کے کورس میں بلند خیالات اور معیاری اوصاف بیان
کرنے کا آخر فائدہ ہی کیا ہے۔ اگر سیرت و کردار کو ان خیالات اور معیارات پر قائم
کرنے کی عملاً" کوشش نہ کی جائے۔ دل میں اونچے خیالات رکھنے اور عمل ان کے
خلاف کرنے سے رفتہ رفتہ سیرت کی جڑیں بالکل کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ
جن لوگوں کی سیرت ہی بودی اور کھوکھلی ہو وہ مجرد اپنی ذہنی اور علمی قابلیتوں سے کوئی
کارنامہ کرکے نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے ہمیں ثانوی تعلیم کے مرحلے میں' جب کہ نئی
نسلیں بچپن سے جوانی کی سرحد میں داخل ہوتی ہیں' اس امر کی پوری کوشش کرنی
چاہیئے کہ ایک ایک لڑکے اور لڑکی کے اندر مضبوط سیرت پیدا کریں اور انہیں یہ
سکھائیں کہ تمہارا عمل تمہارے علم کے مطابق ہونا چاہیئے۔ جس چیز کو حق جانو اس کی
پیروی کرو' جسے فرض جانو اسے ادا کرو' جسے بھلائی جانو اسے اختیار کرو' اور جسے برا جانو
اسے ترک کر دو۔

اعلیٰ تعلیم

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کی طرف آتا ہوں۔ اس تعلیم میں ہم چاہتے ہیں کہ ایک
عام نصاب ہو اور ایک خاص نصاب۔ عام نصاب سے میری مراد ایسا نصاب ہے جو تمام
لڑکوں اور لڑکیوں کو' خواہ وہ کسی مضمون کی تعلیم پا رہے ہوں' لازماً" پڑھایا جائے اور
خاص نصاب کا مطلب وہ نصاب ہے جو ہر مضمون کے طالب علم کو اس کے مضمون کی
مناسبت سے پڑھایا جائے۔

عام نصاب میں میرے نزدیک تین چیزیں شامل ہونی چاہئیں:

۱۔ قرآن مجید' جسے اس طرح پڑھایا جائے کہ ایک طرف طلبہ قرآن کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو جائیں' اور دوسری طرف ان کی عربی اس حد تک ترقی کر جائے کہ وہ قرآن کو ترجمے کے بغیر اچھی طرح سمجھنے لگیں۔

۲۔ حدیث کا ایک مختصر مجموعہ جس میں وہ احادیث جمع کی جائیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر' اس کی اخلاقی تعلیمات پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ مجموعہ بھی ترجمے کے بغیر ہونا چاہیے تاکہ طلباء اس کے ذریعے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی زبان دانی میں بھی ترقی کر سکیں۔

۳۔ اسلامی نظام زندگی کا ایک جامع نقشہ جس میں اسلام کی اعتقادی بنیادوں سے لے کر عبادات' اخلاق' معاشرت' تہذیب و تمدن' معیشت' سیاست اور صلح و جنگ تک ہر پہلو کو وضاحت کے ساتھ معقول اور مدلل طریقے سے بیان کیا جائے تاکہ ہمارا ہر تعلیم یافتہ نوجوان اپنے دین کو اچھی طرح سمجھ لے اور جس شعبہ زندگی میں بھی وہ آگے کام کرے اس میں اسلام کی سپرٹ' اس کے اصول اور اس کے احکام کو ملحوظ رکھ کر کام کر سکے۔

خاص نصاب ہر مضمون کی کلاسوں کے لئے الگ تیار کیا جائے اور وہ صرف اسی مضمون کے طلباء کو پڑھایا جائے۔ مثلاً"

جو طلبہ فلسفہ لیں ان کو دوسرے فلسفیانہ نظاموں کے ساتھ اسلامی فلسفہ بھی پڑھایا جائے مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اسلامی فلسفے سے مراد وہ فلسفہ نہیں ہے جو مسلمانوں نے ارسطو اور افلاطون اور فلاطینوس وغیرہ سے لیا اور پھر اس کو انہی خطوط پر آگے بڑھایا۔ اور اس سے مراد وہ علم کلام بھی نہیں ہے جسے یونانی منطق و فلسفہ سے متاثر ہو کر ہمارے متکلمین نے اس غرض کے لئے مرتب کیا تھا کہ اسلامی حقائق کو اپنے وقت کے فلسفیانہ نظریات کی روشنی میں اور منطق کی زبان میں بیان کریں۔ یہ

دونوں چیزیں اب صرف اپنی ایک تاریخی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔ انہیں پڑھانا ضرور چاہئے مگر اس حیثیت سے کہ یہ تاریخ فلسفہ کے دو اہم ابواب ہیں جن کو مغربی مصنفین بالعموم نظر انداز کر کے طالبان علم کے ذہن پر یہ اثر جماتے رہے ہیں کہ دنیا کے عقلی ارتقاء میں قدیم یونانی فلاسفر سے لے کر آج تک جو کچھ بھی کام کیا ہے صرف یورپ کے لوگوں نے کیا ہے۔ لیکن مسلمان فلاسفہ اور متکلمین کا یہ کام نہ "اسلامی فلسفہ" تھا اور نہ اسے اس نام سے آج ہمیں اپنے طلبہ کو پڑھانا چاہئے۔ ورنہ یہ سخت غلط فہمی کا بلکہ گمراہی کا موجب ہو گا۔ "اسلامی فلسفہ" دراصل کہیں مرتب شدہ موجود نہیں ہے بلکہ اسے اب نئے سرے سے ان بنیادوں پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے جو ہمیں قرآن میں ملتی ہیں۔ قرآن مجید ایک طرف انسانی علم و عقل کی حدود بتاتا ہے۔ دوسری طرف وہ محسوسات کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو تلاش کرنے کا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ تیسری طرف وہ منطق کے ناقص طرز استدلال کو چھوڑ کر عقل عام کے مطابق ایک سیدھا سیدھا طریق استدلال بتاتا ہے اور ان سب کے ساتھ وہ ایک پورا نظریہ کائنات و انسان پیش کرتا ہے' جس کے اندر ذہن میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ ان بنیادوں پر ایک نیا فن استدلال ایک نیا طریق تفلسف' ایک نیا فلسفہ مابعد الطبیعت' ایک نیا فلسفہ اخلاق اور ایک نیا علم النفس مرتب کیا جا سکتا ہے جسے اب مرتب کرانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہمارے فلسفے کے طلباء فلسفہ قدیم و جدید کی بھول بھلیاں میں داخل ہو کر پھنسنے کے پھنسے نہ رہ جائیں بلکہ اس سے نکلنے کا راستہ بھی پالیں اور دنیا کو ایک نئی روشنی دکھانے کے قابل بن سکیں۔

اسی طرح تاریخ کے طلباء کو تاریخ پڑھانے کے ساتھ اسلامی تاریخ بھی پڑھائی جائے اور فلسفہ تاریخ کے دوسرے نظریات کے ساتھ اسلام کے فلسفہ تاریخ سے بھی روشناس کیا جائے۔ یہ دونوں مضمون بھی ذرا تشریح طلب ہیں ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے بارے میں جو عام غلط فہمیاں موجود ہیں ان کی وجہ سے میرا مدعا آپ کے سامنے واضح نہ ہو گا۔ اسلامی تاریخ کا مطلب بالعموم مسلمان قوموں اور ریاستوں کی تاریخ یا

ان کے تمدن اور علوم و آداب کی تاریخ سمجھا جاتا ہے اور اسلامی فلسفہ تاریخ کا نام سن کر معاً" ایک طالب علم ابن خلدون کی طرف دیکھنے لگتا ہے' میں علم تاریخ کے نقطہ نظر سے ان دونوں چیزوں کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کرتا نہ یہ کہتا ہوں کہ یہ چیزیں پڑھائی نہ جائیں۔ مگر میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ دو الگ چیزیں ہیں اور ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کو اسلام کے فلسفہ تاریخ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ کا اطلاق دراصل جس چیز پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ کے دوران اسلام کے ان اثرات کا جائزہ لیا جائے جو مسلمان ہونے والی قوموں کے خیالات' علوم' آداب' اخلاق' تمدن' سیاست' اور فی الجملہ پورے اجتماعی طرز عمل پر مترتب ہوئے اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ ان اثرات کے ساتھ دوسرے غیر اسلامی اثرات کی آمیزش کس کس طرح ہوتی رہی ہے اور اس آمیزش کے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسلامی فلسفہ تاریخ سے مراد درحقیقت قرآن کا فلسفہ تاریخ ہے جس میں وہ ہمیں انسانی تاریخ کو دیکھنے کے لئے ایک خاص زاویہ نگاہ دیتا ہے اس سے نتائج اخذ کرنے کا ایک خاص ڈھنگ بتاتا ہے اور قوموں کے بننے اور بگڑنے کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالتا ہے' افسوس ہے کہ اسلامی فلسفے کی طرح اسلامی تاریخ اور اسلامی فلسفہ تاریخ پر بھی اس وقت تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے جو نصاب کے طور پر پڑھائی جا سکے۔ ان دونوں موضوعات پر اب کتابیں لکھنے اور لکھوانے کی ضرورت ہے تاکہ اس خلا کو بھرا جا سکے جو ان کے بغیر ہماری تعلیم تاریخ میں رہ جائے گا۔

جہاں تک علوم عمرانی کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک میں اسلام کا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے اور ہر ایک میں وہ اپنے اصول رکھتا ہے' لہذا ان میں سے ہر ایک کی تعلیم میں اس علم سے متعلق اسلامی تعلیمات کو بھی لانا" شامل ہونا چاہیے۔ مثلاً" معاشیات میں اسلامی اصول معیشت اور سیاسیات میں اسلام کا سیاسی نظریہ اور نظام وغیرہ۔ رہے فنی علوم' مثلاً" انجینئرنگ' طب اور سائنس کے مختلف شعبے تو ان سے

اسلام بحث نہیں کرتا۔ اس لئے ان میں سے کسی خاص اسلامی نصاب کی حاجت نہیں ہے ان کے لئے وہی عام نصاب اور اخلاقی تربیت کافی ہے جس کا ابھی اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

اختصاصی تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے بعد اختصاصی تعلیم کو لیجئے جس کا مقصود کسی ایک شعبہ علم میں کمال پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس معاملے میں جس طرح ہمارے ہاں دوسرے علوم و فنون کی اختصاصی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح اب قرآن' حدیث' فقہ اور دوسرے علوم اسلامیہ کی اختصاصی تعلیم کا بھی ہونا چاہئے تاکہ ہمارے ہاں اعلیٰ درجہ کے مفسر' محدث اور فقیہہ اور علمائے دین پیدا ہو سکیں۔ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے اس کی تعلیم تو میرے خیال میں ہمارے لاء کالجوں میں ہونی چاہئے' کیونکہ اب انشاء اللہ اسلام کا قانون ہی ہمارے ملک کا قانون بن کر رہے گا اور اس صورت میں یہاں کے لاء کالجوں کو یہی قانون پڑھانا ہو گا۔ اس کے لئے ہم کو تعلیم کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس مسئلے پر اس سے پہلے میں اپنے دو لیکچروں میں مفصل بحث کر چکا ہوں جو ۱۹۴۸ء میں لاء کالج لاہور میں ہوئے [1] تھے' اس لئے یہاں اس کا اعادہ نہ کروں گا۔ رہے قرآن و حدیث اور دوسرے علوم اسلامیہ تو ان کی اختصاصی تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں کو خاص انتظامات کرنے ہوں گے جن کا مختصر خاکہ میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

میرے خیال میں اس مقصد کے لئے ہمیں مخصوص کالج قائم کرنے ہوں گے جن میں صرف گریجویٹ یا انڈر گریجویٹ داخل ہو سکیں۔ ان اداروں میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہونی چاہئے۔

---

(1) یہ لیکچر علیحدہ ایک کتاب کی صورت میں "اسلامی قانون" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ عربی ادب' تاکہ طلبہ میں اعلیٰ درجے کی علمی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد پیدا ہو سکے اور اس کے ساتھ وہ عربی زبان لکھنے اور بولنے پر بھی قادر ہوں۔

۲۔ علوم قرآن' جن میں پہلے تفسیر' تاریخ' علم تفسیر' اور فن تفسیر کے مختلف اسکولوں کی خصوصیات سے طلبہ کو آشنا کیا جائے اور پھر قرآن مجید کا تحقیقی مطالعہ کرایا جائے۔

۳۔ علوم حدیث جن میں اصول حدیث' تاریخ حدیث' علم حدیث' اور فن جرح و تعدیل پڑھانے کے بعد حدیث کی اصل حدیث ایسے طریقے سے پڑھائی جائیں کہ طلبہ ایک طرف خود احادیث کو پرکھنے اور ان کی صحت و سقم کے متعلق رائے قائم کرنے کے قابل ہو جائیں اور دوسری طرف حدیث کے بیشتر ذخیرے پر ان کو نظر حاصل ہو جائے۔

۴۔ فقہ جس کی تعلیم لاء کالجوں کی تعلیم فقہ سے ذرا مختلف ہو۔ یہاں صرف اتنا کافی ہے کہ طلبہ کو اصول فقہ' تاریخ علم فقہ' مذاہب فقیہہ کی امتیازی خصوصیات اور قرآن و حدیث کے نصوص سے استنباط احکام کے طریقے اچھی طرح سمجھا دیئے جائیں۔

۵۔ علم العقائد' علم کلام اور تاریخ علم کلام' جسے اس طریقے سے پڑھایا جائے کہ طلبہ اس علم کی حقیقت سے واقف ہو جائیں اور متکلمین اسلام کے پورے کلام پر ان کو جامع نظر حاصل ہو جائے۔

۶۔ تقابل ادیان' جس میں دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی تعلیمات سے' ان کی امتیازی خصوصیات سے اور ان کی تاریخ سے طلبہ کو آشنا کیا جائے۔

اس تعلیم سے جو لوگ فارغ ہوں' مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ آپ ان کی ڈگری کا نام کیا رکھیں مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں آئندہ انہی لوگوں کو "علمائے دین" کہا جانا چاہیئے جو اس ڈگری کو حاصل کریں' اور ان کے لئے ان تمام اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے کھلے ہونے چاہیں جو دوسرے مضامین کے ایم۔ اے اور پی ایچ

ڈی حضرات کو مل سکتی ہیں۔

لازمی تدابیر

حضرات' یہ ہے میرے نزدیک اس نظام تعلیم کا نقشہ جو موجودہ مذہبی تعلیم اور دنیوی تعلیم کے نظام کو ختم کرکے' اس ملک میں قائم ہونا چاہئے۔ مگر میں اپنے موضوع تقریر کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کروں گا اگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نہ عرض کر دوں کہ یہ ساری گفتگو قطعی لاحاصل ہے جب تک کہ ہم اپنے پورے تعلیمی انتظامات کو بالکل اوور ہال (Over haul) کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی تعلیمی پالیسی کی باگیں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیں جو اسلامی فکر رکھتے ہوں اسلامی نظام تعلیم کو جانتے ہوں اور اسے قائم کرنا چاہتے بھی ہوں۔ یہ کام اگر ہو سکتا ہے تو ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں سے ہو سکتا ہے نہ کہ ان لوگوں کے ہاتھوں جو نہ اسلام کو جانتے ہیں نہ اس کے نظام تعلیم کو اور نہ اس کے قیام کی کوئی خواہش ہی دل میں رکھتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ اگر زمام کار پر قابض رہیں تو پھر ہم رات دن کی چیخ پکار سے دباؤ ڈال ڈال کر ان سے یہ کام زبردستی کراتے رہیں تو بادل نخواستہ وہ کچھ اسی طرح کی ادھوری اصلاحات کرتے رہیں گے جیسی آج کل ہو رہی ہیں اور ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے مدرسوں اور کالجوں کے لئے معلمین اور معلمات کے انتخاب میں ان کی سیرت و اخلاق اور دینی حالت کو ان کی تعلیمی قابلیت کے برابر بلکہ اس سے زیادہ اہمیت دیں اور آئندہ کے لئے معلمین کی ٹریننگ میں بھی اسی مقصد کے مطابق اصلاحات کریں۔ جو شخص تعلیم کے معاملہ میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ نظام تعلیم میں نصاب اور اس کی کتابوں سے بڑھ کر استاد اور اس کے کیریکٹر اور کردار زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فاسد العقیدہ اور فاسد الاخلاق استاد اپنے شاگردوں کو ہرگز وہ ذہنی اور اخلاقی

تربیت نہیں دے سکتے جو ہمیں اپنے نظام تعلیم میں مطلوب ہیں۔ دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی میں بگڑے ہوئے کارکن زیادہ تر موجودہ نسل ہی کو بگاڑتے ہیں مگر نظام تعلیم اگر بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو وہ آئندہ نسل کا بھی ناس کر دیتے ہیں جس کے بعد مستقبل میں بھی کسی صلاح و فلاح کی امید باقی نہیں رہتی۔

آخری چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمیں اپنی تعلیم گاہوں کے پورے ماحول کو بدل کر اسلام کے اصول اور اسپرٹ کے مطابق بنانا ہو گا۔ یہ مخلوط تعلیم، یہ فرنگیت کے مظاہر، یہ از فرق تا بقدم فرنگی تہذیب و تمدن کا غلبہ، یہ کالجوں کے جلسے اور انتخابات کے طریقے، اگر آپ کے ہاں یونہی جاری رہیں اور ان میں سے کسی چیز کو بھی آپ بدلنے کے لئے تیار نہ ہوں تو پھر ختم کیجئے اسلامی نظام کی ساری اس گفتگو کو اور بند کیجئے اسلام اسلام کی یہ رٹ۔ اس آب و ہوا میں اسلام کا تخم ہرگز جڑ نہیں پکڑ سکتا اور اس کو برقرار رکھتے ہوئے اسلامی نظام تعلیم کو رائج کرنے کی کوشش اس سے زیادہ احمقانہ کوشش ہے جتنی ایک سیم زدہ زمین میں زراعت کرنے کی کوشش احمقانہ ہو سکتی ہے۔ ایک طرف آپ اسلام کی صریح خلاف ورزی کر کے جوان لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ لا بٹھاتے ہیں اور دوسری طرف آپ چاہتے ہیں کہ انہی لڑکوں اور لڑکیوں میں اسلام اور اس کے احکام کا احترام پیدا ہو۔ ایک طرف آپ اپنی تمام حرکات و سکنات اپنے پورے ماحول سے اپنی نئی نسلوں کے ذہن پر فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی طرز زندگی کا رعب بٹھاتے ہیں اور دوسری طرف آپ چاہتے ہیں کہ زبانی باتوں سے ان کے دلوں میں اپنی قومی تہذیب کی قدر پیدا ہو جائے۔ ایک طرف آپ اپنے مباحثوں میں روز اپنے نوجوان کو زبان اور ضمیر کا تعلق توڑنے اور ضمیر کے خلاف بولنے کی مشق کراتے ہیں اور دوسری طرح آپ چاہتے ہیں کہ ان کے اندر راست بازی اور حق پرستی پیدا ہو۔ ایک طرف آپ ان کو وہ سارے انتخابی ہتھکنڈے اپنے کالجوں ہی میں برتنے کا خوگر بناتے ہیں جنہوں نے پوری سیاسی زندگی کو گندا کر کے رکھ دیا ہے اور دوسری طرف آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ یہاں سے نکل کر وہ بڑے ایماندار اور

کرکے ثابت ہوں گے۔ یہ حضرات بھی صحیح العقل لوگوں کے کرنے کی قسمیں ہیں۔ اس
طرح کے لوگوں کو ناظم تعلیم کی بات کرنے سے پہلے اپنے دماغ کے علاج کی فکر کرنی
چاہئے۔

ایک اسلامی یونیورسٹی کا نقشہ

مختلف مسلم ممالک میں اس طرح کی تجویزیں کی جا رہی ہیں کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں بنیادی تغیرات کئے جائیں اور ایک ایسے جدید طرز پر اسلامی تعمیر کے ادارے قائم کئے جائیں جو مسلم نوجوانوں کو اسلام کے نصب العین کے مطابق دنیا کی رہنمائی کے لئے تیار کر سکیں۔ لیکن اس سلسلے میں اب تک جتنے ادارے قائم ہوئے ہیں ان کے نقشے اور کام کو دیکھ کر عالم اسلامی کے اصحاب فکر میں سے غالباً کوئی بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہے۔ اس وقت درحقیقت عالم اسلامی کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ نہ تو دارالعلوم یا کلیہ شریعہ ہے جو قدیم طرز کے علماء تیار کرے اور نہ ایک جدید یونیورسٹی جو مغربی علوم کے ماہرین تیار کرے بلکہ وہ ایک ایسی جامعہ ہے جو دنیا میں اسلام کے علمبردار تیار کر سکے۔

موجودہ نظام ہائے تعلیم

انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک تمام مسلمان ملکوں میں اس وقت دو طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک نظام تعلیم خالص مغربی ذہن و فکر رکھنے والے اور مغربی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگے ہوئے آدمی تیار کر رہا ہے اور اسی کے تیار کئے ہوئے لوگ مسلم ممالک کی حکومتوں کے نظام چلا رہے ہیں۔ انہی کے ہاتھ میں معیشت کا سارا کاروبار ہے' وہی سیاست کی باگیں تھامے ہوئے ہیں اور وہی تمدن و تہذیب کی صورت گری کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ بالعموم دین کے علم و فہم سے عاری اور مغربیت سے مرعوب و مغلوب ہیں' اس لئے یہ دنیا بھر میں امت مسلمہ کی گاڑی کو روز بروز نہایت تیزی کے ساتھ اسلام کی مخالف سمت میں لیے جا رہے ہیں۔ دوسرا

نظام تعلیم علوم دینی کے علماء تیار کر رہا ہے۔ جو دنیوی علوم سے بالعموم ناواقف ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے محض مذہبی شعبہ حیات کی محافظت کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں کہیں بھی ان قابلیتوں اور ان اوصاف سے متصف نہیں ہیں جن سے یہ زندگی کی گاڑی کے ڈرائیور بن سکیں۔ ہر جگہ یہ صرف ایک بریک کا کام دے رہے ہیں جس کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ مقدم الذکر گروہ جس تیزی کے ساتھ امت کی گاڑی کو مخالف سمت میں لے جانا چاہتا ہے اس میں رکاوٹ پیدا کرے اور رفتار کو سست کرتا رہے۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر مسلمان ملک میں یہ بریک روز بروز کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے' بلکہ بعض ملکوں میں تو بدمست ڈرائیور بریک کو توڑ چکے ہیں اور الحاد و فجور کے راستہ پر بے تحاشا اپنی قوم کو دوڑائے لئے جا رہے ہیں۔ قبل اس کے کہ باقی مسلمان ملکوں میں وہ وقت آئے جبکہ ہر جگہ یہ بریک ٹوٹ چکا ہو' ہمیں ایک ایسا نظام تعلیم قائم کرنے کی فکر کرنی چاہئے جس سے بیک وقت دین و دنیا کے عالم تیار ہوں جس سے نکلنے والے بریک کی جگہ نہیں بلکہ امت کی گاڑی کے ڈرائیور کی جگہ سنبھالنے کے قابل ہوں اور اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے بھی مغربی طرز کے نظام تعلیم سے فارغ ہونے والوں کی بہ نسبت فائق تر ہوں۔

اس ضرورت کو مسلم دنیا کا کوئی تعلیمی ادارہ پورا نہیں کر رہا ہے۔ عالم اسلامی کے تمام اہل فکر پریشان ہیں کہ اگر ایسا ایک نظام تعلیم قائم نہ ہوا تو امت مسلمہ کو دین و اخلاق کی مکمل تباہی سے کیسے بچایا جا سکے گا۔ اس طرح کا نظام تعلیم بنانے کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہے وہ صرف حکومتیں ہی فراہم کر سکتی ہیں اور مسلم ممالک کی حکومتیں جیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان کا حال کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس حالت میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ میرے ذہن میں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک تعلیمی ادارے کا جو خاکہ ہے اسے عالم اسلامی کے سامنے پیش کر دوں۔ شاید کہ اہل علم و فکر اسے پسند کریں اور دنیا کی کوئی مسلم حکومت اس کو

جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو جائے' یا اللہ کچھ اہل ثروت و اہل خیر اصحاب کا سینہ اس کام کے لئے کھول دے۔

مطلوبہ اسلامی یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد:

اس یونیورسٹی کے لئے میں اپنی تجاویز نہایت اختصار کے ساتھ سطور ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ اس یونیورسٹی کا مقصد واضح طور پر متعین کر دیا جائے تاکہ اس کا نظام اسی کے لحاظ سے وضع کیا جائے' اس میں کام کرنے والے بھی اسی کو نگاہ میں رکھ کر کام کریں' اور اسے دیکھنے والے بھی اس معیار پر جانچ کر اسے دیکھ سکیں کہ وہ اپنے مقصد کو کہاں تک پورا کر رہی ہے۔ میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہونا چاہئے۔

> "وہ ایسے علماء تیار کرے جو اس دور جدید میں ٹھیک دین حق کے مطابق دنیا کی رہنمائی کرنے کے لائق ہوں"

۲۔ اس کا اپنا دائرہ کار صرف علوم اسلامیہ تک محدود رکھنا چاہئے۔ دوسرے علوم اس میں اس حیثیت سے پڑھائے جائیں کہ وہ علوم اسلامیہ کے لئے مددگار ہوں نہ اس حیثیت سے کہ اس یونیورسٹی کو ان علوم کے ماہرین تیار کرنے ہیں۔

۳۔ اسے لازماً ایک اقامتی یونیورسٹی ہونا چاہئے جس میں طالب علم ہمہ وقت رہیں اور اساتذہ بھی یونیورسٹی کی حدود میں سکونت پذیر ہوں۔

۴۔ اسے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے کھلا ہونا چاہئے تاکہ ہر جگہ کے طالب علم آزادی کے ساتھ اس میں آ کر داخل ہو سکیں۔

۵۔ اس کا پورا ماحول ایسا ہونا چاہئے جو طلبہ میں تقویٰ اور اخلاق فاضلہ پیدا کرنے والا اور ان کے اندر اسلامی ثقافت کو مستحکم کرنے والا ہو۔ اس کو مغربی ثقافت کے اثرات سے محفوظ رکھا جانا چاہئے۔ تاکہ اس کے طلبہ میں وہ شکست خوردہ ذہنیت پیدا نہ

ہونے پائے جو مغرب سے مغلوب اور مرعوب ہونے والی قوموں میں ہر جگہ پیدا ہو رہی ہے۔ اس کے حدود میں مغربی لباس کا استعمال ممنوع ہونا چاہئے۔ اس میں طلبہ کے کھیل اور تفریحات کے لئے بھی مغربی کھیلوں کے بجائے، گھوڑے کی سواری، تیراکی، نشانہ بازی، اسلحہ کا استعمال، موٹر سائیکل اور موٹر چلانے کی مشق اور ایسی ہی دوسری تفریحات رائج کی جانی چاہئیں۔ اس کے ساتھ انہیں کسی حد تک فوجی تربیت بھی دی جانی چاہئے۔

۶۔ اس کے لئے اساتذہ کا انتخاب بھی صرف علمی قابلیت کی بنا پر ہی نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے تمام اساتذہ اپنے عقائد و نظریات اور اپنی عملی زندگی کے لحاظ سے صالح اور متقی ہونے چاہئیں۔ اس جامعہ کے لئے گہری چھان بین کے بعد ایسے اساتذہ کو عالم اسلامی کے مختلف ممالک سے منتخب کیا جائے جو اعلیٰ درجہ کی علمی قابلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد و افکار کے لحاظ سے بھی پورے مسلمان ہوں۔ عملاً احکام اسلامی کا اتباع کرنے والے ہوں اور مغربی ثقافت سے شکست خوردہ نہ ہوں بلکہ میں تو یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جامعہ کے لئے جن اساتذہ کو منتخب کیا جائے ان کے متعلق یہ اطمینان بھی کر لیا جائے کہ ان کے گھر والے بھی حدود شرعیہ کی پابندی سے آزاد نہ ہوں، اس لئے کہ جامعہ کے حدود میں اگر طلبہ کے ساتھ ایسے اساتذہ رہیں، جن کے گھر کی خواتین تبرج جاہلیت میں مبتلا ہوں اور جن کے گھر سے نغموں کی آوازیں بلند ہوتی رہیں تو طلبہ کو ان سے کوئی اچھا سبق نہ مل سکے گا۔

۷۔ اس کے طلبہ کو ایسی تربیت دینی چاہئے کہ ان میں خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل اوصاف پیدا ہوں:

(الف) اسلام اور اس کی تہذیب پر فخر اور اسے دنیا پر غالب کرنے کا عزم۔

(ب) اسلامی اخلاق سے اتصاف اور اسلامی احکام کی پابندی۔

(ج) دین میں تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت۔

(د) تنگ نظرانہ فرقہ بندی سے پاک ہونا

(ہ) تحریر و تقریر اور بحث کی عمدہ صلاحیتیں اور تبلیغ دین کے لئے مناسب قابلیتیں۔

(و) جفاکشی، محنت، چستی، اور اپنے ہاتھ سے ہر طرح کے کام کر لینے کی صلاحیت۔

(ز) تنظیم و انتظام اور قیادت کی صلاحیتیں۔

۸۔ اس میں صرف وہ لوگ داخل کئے جانے چاہئیں جو ثانوی تعلیم کے مرحلے سے فارغ ہو چکے ہوں۔ عرب ممالک سے آنے والے طلبہ براہ راست اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن غیر عرب ممالک کے طلبہ اگر عربی زبان میں کافی استعداد نہ رکھتے ہوں تو ان کے لئے کم از کم ایک سال کا کورس الگ ہونا چاہئے تاکہ انہیں عربی زبان کی کتابوں سے استفادہ کے قابل بنایا جا سکے۔

یونیورسٹی کے تعلیمی مراحل

۹۔ اس کی تعلیم کو ۹ سال کے تین مرحلوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔ مرحلہ اولیٰ ۴ سال مرحلہ ثانیہ تین سال اور مرحلہ ثالثہ دو سال۔

مرحلہ اولیٰ کا نصاب:

۱۰۔ مرحلہ اولیٰ میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہونی چاہئے اور ان کو تعلیم کی چار سالہ مدت پر مناسب طریقے سے تقسیم کر دینا چاہئے۔

(الف) عقائد اسلام، اس تفصیل کے ساتھ کہ قرآن و سنت کی رو سے اسلام کے عقائد کیا ہیں اور ان کے حق میں کیا نقلی اور کیا عقلی دلائل ہیں۔ اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ مسلمانوں میں یہ اختلاف عقائد کیسے اور کس ترتیب سے رونما ہوا ہے اور اس لحاظ سے دنیائے اسلام میں اس وقت کتنے مذہب پائے جاتے ہیں اس درس کو بیان علمی کے حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہئے اور حرب عقائد سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔

(ب) اسلامی نظام حیات، اس مضمون میں طلبہ کو پورے اسلامی نظام سے روشناس کرا

دیا جائے۔ اسلام کی بنیاد کن اساسی تصورات پر قائم ہے' ان تصورات کی بنا پر وہ اخلاق اور سیرت کی تشکیل کس طرح کرتا ہے۔ پھر گھر اور خاندان سے لے کر معیشت' سیاست اور بین الاقوامی تعلقات تک مسلم سوسائٹی کی زندگی کے مختلف شعبوں کو وہ کن اصولوں پر منظم کرتا ہے اور اس سے پوری اسلامی تہذیب کی کیا شکل بنتی ہے۔

(ج) قرآن' چار سال کی مدت میں پورا قرآن مختصر تفسیر کے ساتھ پڑھا دیا جائے۔ اس کے لئے تفسیر کی کوئی خاص کتاب مقرر کرنے کی بجائے استاد کو خود کتب تفاسیر سے استفادہ کرتے ہوئے اس طرح قرآن کا درس دینا چاہیے کہ طلبہ کتاب الٰہی کا مقصود و مدعا اچھی طرح سمجھ لیں اور جو شکوک و شبہات ان کے ذہن میں پیدا ہوں وہ رفع کر دیئے جائیں۔

(د) حدیث' اس مضمون میں اجمالاً" تاریخ علم حدیث اور اصول حدیث اور دلائل حجیت حدیث سے طلبہ کو ضروری حد تک آگاہ کرنے کے بعد سنن کو مجموعوں میں سے کوئی ایک کتاب مکمل پڑھا دی جائے۔ مثلاً" منتقی الاخبار یا بلوغ المرام یا مشکوٰۃ المصابیح۔

(ہ) فقہ۔ اس مضمون میں تاریخ فقہ اور اصول فقہ پر ایک ایک مختصر کتاب پڑھانے کے بعد طلبہ کو فقہ کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ مسائل فقیہہ میں مختلف فقہا کے مذاہب سے بھی واقف ہوتے جائیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ماخذ شریعت سے ائمہ مجتہدین نے کس طرح مسائل کا استنباط کیا ہے۔

(و) تاریخ اسلام۔ اس کا آغاز تاریخ انبیاء علیہم السلام سے کیا جائے اور پھر خصوصیت کے ساتھ سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے دور کو زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ پڑھانے کے بعد' مختصراً" پوری اسلامی تاریخ سے طلبہ کو روشناس کرا دیا جائے۔

(ز) علوم عمران (Social Sceinces) ۔ خصوصاً" معاشیات' سیاسیات اور سوشیالوجی۔ ان مضامین کی تعلیم کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو اسلامی نقطہ نظر سے

تحقیق کے ساتھ تعلیم دے سکیں۔ مغربی افکار و نظریات جوں کے توں طلبہ کے ذہن میں نہ اتار دیں۔

(ح) ادیان عالم، خصوصاً یہودیت، عیسائیت، بدھ مذہب اور ہندو مذہب سے اجمالی واقفیت۔

(ط) جدید مغربی افکار کی مختصر تاریخ اور ان کے مذاہب، خصوصاً مغربی جمہوریت، اشتراکیت اور فسطائیت وغیرہ۔

(ی) انگریزی، جرمن، اور فرنچ میں سے کوئی ایک زبان۔

مرحلہ ثانیہ کا نصاب

۱۔ مرحلہ ثانیہ میں پانچ فیکلٹیاں ہونی چاہئیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، علم الکلام، اور تاریخ۔

۲۔ تفسیر کی فیکلٹی میں حسب ذیل مضامین ہونے چاہئیں:

(۱) تاریخ القرآن

(۲) تاریخ علم تفسیر اور مفسرین کے مختلف مذاہب اور ان کی خصوصیات

(۳) اختلاف قرات

(۴) اصول تفسیر

(۵) قرآن مجید کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ

(۶) مخالفین کی طرف سے قرآن پر آج تک جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جائزہ اور ان کے جوابات۔

(۷) احکام قرآن

۳۔ حدیث کی فیکلٹی میں

(۱) تاریخ و تدوین حدیث

(۲) علوم حدیث اپنے تمام شعبوں کے ساتھ

(۳) حدیث کی امہات کتب میں سے کوئی ایک کتاب تفصیلی تنقید کے ساتھ، تا
کہ طلبہ کو محدثانہ طریقے پر احادیث کے پرکھنے کی اچھی طرح مشق ہو جائے۔
(۴) کتب صحاح پر ایک جامع نظر۔
(۵) حدیث پر مخالفین کی طرف سے اب تک جتنے اعتراضات کیے گئے ہیں ان
کا تفصیلی جائزہ اور اس کے جوابات

۳۔ فقہ کی فیکلٹی میں

(۱) اصول فقہ
(۲) تاریخ فقہ
(۳) فلسفہ قانون جدید
(۴) رومی و ایرانی قوانین، یہودی شریعت، جدید و مغربی قوانین
اور اسلامی قوانین کا تقابلی مطالعہ
(۵) فقہائے اسلام کے مختلف مذاہب اور ان کے اصول
(۶) قرآن و سنت سے براہ راست استنباط مسائل کی مشق
(۷) اہل سنت کے چاروں مذاہب کی فقہ اور اس کے ساتھ
فقہ ظاہری، فقہ زیدی، اور فقہ جعفری بھی

۴۔ علم الکلام کی فیکلٹی میں

(۱) مبادی منطق
(۲) فلسفہ قدیم و جدید
(۳) مسلمانوں میں علم کلام کے آغاز سے اب تک کی تاریخ اور ان مذاہب کی
تفصیل جو اندرونی اور بیرونی اثرات سے مسلمانوں کے اندر پیدا ہوئے ہیں۔
(۴) علم الکلام کے مسائل اور ان میں قرآن و سنت کی رہنمائی۔
(۵) اسلام پر مخالفین کے اعتراضات کا تفصیلی جائزہ اور اس کے جوابات

(۶) تقابل ادیان خصوصاً مسیحیت کی تاریخ، اور اس کے فرقوں، اور اس کے علم کلام کا تفصیلی مطالعہ۔

(۷) مسیحی مشنریوں کا کام اور ان کے طریقے۔

۱۵۔ تاریخ اسلام کی فیکلٹی میں

(۱) فلسفہ تاریخ، مقصد مطالعہ تاریخ، اور طرز مطالعہ تاریخ قرآن مجید کی رو سے

(۲) فلسفہ تاریخ کے مختلف مذاہب ابن خلدون سے اب تک

(۳) تاریخ عرب و شرق اوسط قبل اسلام

(۴) تاریخ اسلام عہد نبوی سے اب تک بلحاظ فکر، اخلاق، علوم، تمدن وسیاست

(۵) تجدید و احیائے دین کی تحریکات

(۶) مسلمان ممالک پر مغربی استعمار کے غلبہ کی تاریخ اور اس کے اثرات و نتائج

مرحلہ ثالثہ کا کام

۱۶۔ مرحلہ ثالثہ میں داخل ہونے والا طالب علم مذکورہ بالا فیکلٹیوں میں سے کسی ایک میں کسی خاص موضوع پر دو سال تک علمی تحقیق کرنے کے بعد کوئی مقالہ پیش کرے گا جس کو اہل علم جانچنے کے بعد اسے سند فضیلت دیں گے۔

۱۷۔ اس جامعہ کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کی لائبریری ہونی چاہئے جس میں جامعہ کی مذکورہ بالا ضروریات کے مطابق وسیع پیمانے پر کتابیں فراہم کی جائیں۔

۱۸۔ ایک کمیٹی کا تقرر اس غرض کے لئے کیا جائے کہ جامعہ کی تعلیم کے مختلف مراحل اور شعبوں کے لئے مناسب کتابوں کا انتخاب کرے۔

۱۹۔ ایک اکاڈیمی کا قیام اس غرض کے لئے کہ جامعہ کی ضروریات کے لئے مناسب ترین کتابیں تیار کرے۔

اسلامی نظام تعلیم

(ذیل کا مقالہ دراصل وہ میمورنڈم ہے جو مولانا مودودیؒ نے اصلاح تعلیم کے سلسلے میں قومی تعلیمی کمیشن کو بھیجا تھا۔ چونکہ کمیشن کے جاری کردہ سوال نامے کا دائرہ اس قدر محدود تھا کہ اس کے حدود میں رہتے ہوئے بنیادی تبدیلیوں کے متعلق کوئی تجویز پیش نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے یہ مقالہ کمیشن کی اجازت سے آزاد ہو کر لکھا گیا ہے)

اس ملک کے موجودہ نظام تعلیم میں اصلاحات تجویز کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان نقائص کو اچھی طرح سمجھ لیں جو ہماری تعلیم کے نظام میں اس وقت پائے جاتے ہیں۔ اس کے بغیر ہم یہ نہیں جان سکتے کہ اس میں اصلاح کس قدر اور کس شکل میں ہونی چاہئے۔ ہمارے ملک میں اس وقت دو طرح کے نظام رائج ہیں۔ ایک وہ جس پر ہمارے پرانے طرز کے مدارس چل رہے ہیں اور جو ہماری مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لئے علماء تیار کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے اور مذہبی دائرے سے باہر ہمارے پورے نظام زندگی کو چلانے کے لئے کارکن تیار کرتا ہے۔ ان دونوں کے نقائص کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ہمیں ان کے بجائے ایک ہی ایسا نظام تعلیم تجویز کرنا ہو گا جو ہماری ساری قومی ضروریات کو بیک وقت پورا کر سکے اور اس موجودہ تعلیمی ثنویت کو ختم کر دے جو دین و دنیا کی تفریق کے گمراہانہ نظریے پر مبنی ہے۔

قدیم نظام تعلیم

جہاں تک ہمارے پرانے نظام تعلیم کا تعلق ہے اس کے متعلق یہ غلط فہمی ہے کہ یہ ہماری قدیم مذہبی تعلیم کا نظام تھا۔ دراصل یہ مذہبی تعلیم کا نہیں بلکہ سول سروس کا نظام تھا جو قدیم زمانے میں مسلمان حکومتوں کی ضروریات کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ اس نظام تعلیم کی افادیت عملاً اسی روز ختم ہو گئی تھی جس روز انگریزی حکومت یہاں مسلط ہوئی' کیونکہ اس کے تحت تعلیم پائے ہوئے لوگوں کے لئے نئی مملکت میں کوئی جگہ نہ رہی۔ لیکن چونکہ اس میں ہماری صدیوں کی تہذیبی میراث موجود تھی اور ہماری مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بھی اس کے اندر کچھ نہ کچھ سامان پایا جاتا تھا (اگرچہ کافی نہ تھا) اس لئے دور غلامی کے آغاز میں ہماری قوم کے ایک خاصے بڑے عنصر نے یہ محسوس کیا کہ اس نظام کو جس طرح بھی ہو سکے قائم رکھا جائے تاکہ اپنی آبائی میراث سے بالکل منقطع ہو کر ہمارا قومی شیرازہ منتشر اور ہمارا قومی وجود بالکل ہی ختم نہ ہو جائے۔

اسی مصلحت سے انہوں نے کسی تغیر و تبدل کے بغیر اس کو جوں کا توں برقرار رکھا لیکن جتنے جتنے حالات بدلتے گئے اتنی ہی زیادہ اس کی افادیت گھٹتی چلی گئی' کیونکہ اس نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تعلیم پا کر نکلے ان کو وقت کی زندگی اور اس کے مسائل سے کوئی مناسبت ہی نہ رہی۔ اب جو لوگ اس نظام تعلیم کے تحت پڑھ رہے ہیں اور اس سے تربیت پا کر نکل رہے ہیں ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ ہماری مسجدوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں یا کچھ مدرسے کھول لیں یا وعظ گوئی کا پیشہ اختیار کریں اور طرح طرح کے مذہبی جھگڑے چھیڑتے رہیں تاکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے قوم کو ان کی ضرورت محسوس ہو۔ اس طرح ان کی ذات سے اگرچہ کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے یعنی ان کی بدولت ہمارے اندر دین کا کچھ نہ کچھ علم پھیلتا ہے۔ دین کے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے اور ہماری مذہبی زندگی میں کچھ نہ کچھ حرارت باقی رہ جاتی ہے لیکن اس

فائدے کے مقابلے میں جو نقصان ان سے ہم کو پہنچ رہا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ وہ نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکتے ہیں نہ موجودہ زندگی کے مسائل پر اسلام کے اصولوں کو منطبق کر سکتے ہیں' نہ ان کے اندر اب یہ صلاحیت ہے کہ وہ دینی اصولوں پر قوم کی رہنمائی کر سکیں اور نہ ہمارے اجتماعی مسائل میں سے کسی مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اب ان کی بدولت دین کی عزت میں اضافہ ہونے کی بجائے الٹی اس میں کچھ کمی ہو رہی ہے۔ دین کی جیسی نمائندگی آج ان کے ذریعہ سے ہو رہی ہے اس کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں دین سے روز بروز بعد بڑھتا جا رہا ہے اور دین کے وقار میں کمی آ رہی ہے۔ پھر ان کی بدولت ہمارے ہاں مذہبی جھگڑوں کا ایک سلسلہ ہے جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ کیونکہ ان حضرات کی ضروریات زندگی انہیں مجبور کرتی ہیں کہ وہ ان جھگڑوں کو تازہ رکھیں اور بڑھاتے رہیں یہ جھگڑے نہ ہوں تو قوم کو سرے سے ان کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔

یہ ہے ہمارے پرانے نظام تعلیم کی پوزیشن۔ اس میں دینی تعلیم بہت کم ہے اور علماء دین اور مذہبی پیشوا تیار کرنے کا جو کام اس سے اس وقت لیا جا رہا ہے اس کے لئے وہ بنایا ہی نہیں گیا تھا۔ وہ تو دراصل جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اب سے دو ڈھائی سو برس پہلے کی سول سروس کی تعلیم ہے جس میں زیادہ تر اس وجہ سے دینی تعلیم کا جوڑ لگایا گیا تھا کہ اس زمانے میں اسلامی فقہ ہی ملک کا قانون تھی اور اسے نافذ کرنے والوں کے لئے فقہ اور اس کی بنیادوں کا جاننا ضروری تھا۔ آج ہم غنیمت سمجھ کر اسی کو اپنی دینی تعلیم کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس کے اندر دینی تعلیم کا عنصر بہت کم ہے۔ اس میں جس قدر زور اس دور کے فلسفہ' منطق' ادب اور صرف و نحو وغیرہ علوم پر دیا جاتا ہے' قرآن و حدیث اور دین کی اساسی تعلیمات پر نہیں دیا جاتا۔ آج بھی کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جس کے نصاب تعلیم میں پورا قرآن مجید داخل ہو۔ صرف ایک یا دو سورتیں (سورہ بقرہ یا سورہ آل عمران) باقاعدہ "درساً درساً" پڑھائی جاتی ہیں۔ باقی سارا قرآن اگر کہیں شامل درس ہے بھی تو صرف اس کا ترجمہ پڑھا دیا جاتا ہے۔ تحقیقی مطالعہ قرآن جو آدمی کو مفسر بنا سکے کسی مدرسے کے نصاب

میں شامل نہیں ہے۔ یہی صورت حال تعلیم حدیث کی ہے' اس کی بھی باقاعدہ تعلیم جیسی کہ ہونی چاہئے' جیسی کہ محدث بننے کے لئے درکار ہے کہیں نہیں دی جاتی۔ درس حدیث کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ یہ ہے کہ جب فقہی اور اعتقادی جھگڑوں سے متعلق کوئی حدیث آجاتی ہے تو اس پر دو دو تین تین دن صرف کر دیئے جاتے ہیں۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو دین کی حقیقت سمجھاتی ہیں' یا جن میں اسلام کا معاشی نظام اور سیاسی اور تمدنی اور اخلاقی نظام بیان کیا گیا ہے' یا جن میں دستور مملکت یا نظام عدالت' یا بین الاقوامی قانون پر روشنی پڑتی ہے' ان پر سے استاد اور شاگرد سب اس طرح رواں دواں گزر جاتے ہیں کہ گویا ان میں کوئی بات قابل توجہ ہے ہی نہیں۔ حدیث اور قرآن کی بہ نسبت ان کی توجہ فقہ کی طرف زیادہ ہے لیکن اس میں زیادہ تر' بلکہ تمام تر جزئیات فقہ کی تفصیلات ہی توجہات کا مرکز رہتی ہیں۔ فقہ کی تاریخ' اس کا تدریجی ارتقاء' اس کے مختلف سکولوں کی امتیازی خصوصیات' ان اسکولوں کے متفق علیہ اور مختلف فیہ اصول اور ائمہ مجتہدین کے طریق استنباط' جن کے جانے بغیر کوئی شخص حقیقت میں فقیہہ نہیں بن سکتا۔ ان کے درس میں سرے سے شامل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان چیزوں پر شاگرد تو درکنار استاد بھی کم ہی نگاہ رکھتے ہیں۔ رہیں اجتہادی صلاحیتیں تو ان کا پیدا کرنا سرے سے اس نظام تعلیم میں مقصود ہی نہیں' بلکہ شاید گناہ بھی ہے۔ اس لئے مجتہد تیار ہونے کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس طرح یہ نظام تعلیم ہماری ان مذہبی ضروریات کے لئے بھی سخت ناکافی ہے جن کی خاطر اس کو باقی رکھا گیا تھا۔ رہیں دنیوی ضروریات تو ان کے ساتھ جو کچھ بھی اس کا سروکار تھا وہ گزشتہ صدی کے آغاز ہی میں ختم ہو چکا تھا۔

جدید نظام تعلیم

اس کے بعد اس نظام تعلیم کو لیجئے جو انگریزوں نے یہاں قائم کیا۔ دنیا میں جو بھی نظام تعلیم قائم کیا جائے اس میں اولین بنیادی سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ کس قسم کے آدمی تیار کرنا چاہتے ہیں اور آدمیت کا وہ کیا نقشہ آپ کے سامنے ہے جس کے مطابق آپ لوگوں کو تعلیم و تربیت دے کر ڈھالنا چاہتے ہیں؟ اس بنیادی سوال کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یقیناً" انگریز کے سامنے انسانیت کا وہ نقشہ ہرگز نہیں تھا جو مسلمانوں کے سامنے ہونا چاہئے۔ انگریز نے یہ نظام تعلیم یہاں اس لئے قائم نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کی تہذیب کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے کارکن تیار کرے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ چیز اس کے پیش نظر نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس کے پیش نظر انسانیت کا وہ نقشہ بھی نہیں تھا جو خود اپنے ملک انگلستان میں اس کے پیش نظر تھا۔ وہ اس مقصد کے لئے یہاں آدمی تیار کرنا نہیں چاہتا تھا جس کے لئے وہ اپنے ملک میں اپنی قوم کے لئے تیار کرتا تھا۔ وہ یہاں ایسے لوگ تیار کرنا نہیں چاہتا تھا جو ایک آزاد قومی حکومت کو چلانے کے لئے موزوں ہوں۔ یہ جنس تو اسے اپنے ملک میں مطلوب تھی نہ کہ ہمارے ملک میں۔ یہاں جس قسم کے آدمی تیار کرنا اس کے پیش نظر نہ تھا ان کے اندر اولین صلاحیت وہ یہ دیکھنی چاہتا تھا کہ وہ باہر سے آکر حکومت کرنے والی ایک قوم کے بہتر سے بہتر آلہ کار بن سکیں۔ اس کو یہاں ایسے آدمی درکار تھے جو اس کی زبان سمجھتے ہوں' جن سے وہ ربط اور تعلق رکھ سکے اور کام لے سکے' جو اس کے ان اصولوں کو جانتے اور سمجھتے ہوں جن پر وہ ملک کا نظام چلانا چاہتا تھا اور جن میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ اس سرزمین میں انگریز کے منشاء کو خود انگریز کی طرح پورا کر سکیں یہی مقصد تھا جس کے لئے اس نے موجودہ نظام تعلیم قائم کیا تھا۔

اس نظام تعلیم میں اس نے جتنے علوم پڑھائے' ان میں اسلام کا کوئی شائبہ نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ خود یورپ میں ان سارے علوم کو جو ارتقاء ہوا تھا وہ تمام تر خدا

سے بھرے ہوئے لوگوں کی رہنمائی میں ہوا تھا۔ جو مذہبی طبقہ وہاں موجود تھا، وہ پہلے ہی فکر و عمل کے میدان سے بے دخل کیا جا چکا تھا۔ اس لئے تمام علوم کا ارتقاء خواہ وہ سائنس ہو یا فلسفہ، تاریخ ہو یا عمرانیات، ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو اگر خدا کے منکر نہ تھے تو کم از کم اپنی دنیوی زندگی میں خدا کی رہنمائی کی کوئی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ انگریز نے اپنے انہی علوم کو لاکر، انہی کتابوں کے ساتھ اس ملک میں رائج کیا اور آج تک انہی علوم کو اسی طرز پر یہاں پڑھایا جا رہا ہے۔ اس نظام تعلیم کے تحت جو لوگ پڑھتے رہے ان کا ذہن قدرتی طور پر بغیر اپنے کسی قصور اور اپنے کسی ارادے کے آپ سے آپ اس طرح بنتا چلا گیا کہ وہ دین سے اور دینی نقطہ نظر سے، دینی اخلاق سے اور دینی طرز فکر سے روز بروز بعید تر ہوتے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی تعلیم کے نقطہ آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تعلیم تک دنیا کے متعلق جتنی معلومات بھی حاصل کرے وہ ساری کی ساری خدا پرستی کے نقطہ نظر سے خالی ہوں، اس کے ذہن میں آخر خدا کا اعتقاد کیسے جڑ پکڑ سکتا ہے۔ اس کی درسی کتابوں میں خدا کا کہیں ذکر ہی نہ ہو، وہ تاریخ پڑھے تو اس میں پوری انسانی زندگی اپنی قسمت آپ ہی بناتی اور بگاڑتی نظر آئے، وہ فلسفہ پڑھے تو اس کائنات میں گتھی خالق کائنات کے بغیر ہی سلجھانے کی کوشش ہو رہی ہو، وہ سائنس پڑھے تو اس میں سارا کارخانہ ہستی کسی صانع حکیم اور ناظم و مدبر کے بغیر چلتا ہوا دیکھا جائے، وہ قانون، سیاست، معیشت اور دوسرے علوم پڑھے تو ان میں سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ ہو کہ انسان کا خالق ان کے لئے زندگی کے کیا اصول اور احکام دیتا ہے، بلکہ ان سب کا بنیادی نظریہ ہی یہ ہو کہ انسان آپ ہی اپنی زندگی کے اصول بنانے کا حق رکھتا ہے۔ ایسی تعلیم پانے والے سے کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ تو خدا کا انکار کر۔ وہ آپ سے آپ خدا سے بے نیاز اور خدا سے بے فکر ہوتا چلا جائے گا۔

یہ تعلیم خدا پرستی اور اسلامی اخلاق سے تو خیر خالی ہے ہی، غضب یہ ہے کہ یہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں وہ بنیادی انسانی اخلاقیات بھی پیدا نہیں کرتی جن کے بغیر

کسی قوم کا دنیا میں ترقی کرنا تو درکنار زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔ اس کے زیر اثر پرورش پاکر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاء اللہ پوری طرح آراستہ ہیں مگر ان کی خوبیوں کی چھینٹ تک ان پر نہیں پڑی ہے۔ ان میں نہ فرض شناسی ہے' نہ مستعدی و جفاکشی' نہ ضبط اوقات' نہ صبر و ثبات' نہ عزم و استقلال نہ باقاعدگی و بلضابطگی' نہ ضبط نفس' نہ اپنی ذات سے بالاتر کسی چیز کی وفاداری۔ وہ بالکل خود رو درختوں کی طرح ہیں جنہیں دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ان کا کوئی قومی کیریکٹر بھی ہے۔ ان میں معزز سے معزز پوزیشن میں ہو کر بھی کسی ذلیل سے ذلیل بددیانتی اور بدکرداری کے ارتکاب میں دریغ نہیں ہوتا ان میں بدترین قسم کے رشوت خور' خویش پرور' سفارشیں کرنے اور سننے والے' بلیک مارکیٹنگ کرنے اور کرانے والے' ناجائز درآمد و برآمد کرنے اور کرانے والے' انصاف اور قانون اور ضابطے کا خون کرنے والے' فرض سے جی چرانے اور لوگوں کے حقوق پر ڈاکے مارنے والے اور اپنے ذرا سے مفاد پر اپنی پوری قوم کے مفاد اور فلاح کو قربان کر دینے والے۔ ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہر شعبہ زندگی میں ہر جگہ آپ کو کام کرتے نظر آتے ہیں۔ انگریز کے ہٹ جانے کے بعد مملکت کو چلانے کی ذمہ داری کا بار اسی تعلیم کے تیار کیے ہوئے لوگوں نے سنبھالا ہے اور چند سال کے اندر ان بے سیرت کارکنوں کے ہاتھوں ملک کا جو حال ہوا ہے وہ ساری دنیا دیکھ رہی ہے اور جو نسل اب اس نظام تعلیم کی درسگاہوں میں زیر تربیت ہے اس کے اخلاق و کردار کا حال آپ چاہیں تو درس گاہوں میں' ہوسٹلوں میں' تفریح گاہوں میں اور قومی تقریبات کے موقع پر بازاروں میں دیکھ سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس تعلیم میں خدا پرستی اور اسلامی اخلاق نہ سہی' آخر وہ اخلاق پیدا کیوں نہیں ہوتے جو انگریزوں میں' جرمنوں میں' امریکیوں میں اور دوسری ترقی یافتہ مغربی قوموں میں پیدا ہوتے ہیں؟ ان کے اندر کم از کم بنیادی انسانی اخلاقیات تو پائے جاتے ہیں۔ یہاں وہ بھی مفقود ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی انسانی اخلاقیات پیدا کرنے کی فکر وہ نظام تعلیم کرتا ہے جو ایک آزاد قوم اپنے نظام زندگی کو چلانے کے لئے بناتی ہے اس کو لامحالہ اپنے تمدن کی بقا اور ارتقاء کی خاطر ایسے کارکن تیار کرنے کی فکر ہوتی ہے جو مضبوط اور قابل اعتماد سیرت کے مالک ہوں۔ انگریز کو ایسے کارکنوں کی ضرورت اپنے ملک میں تھی نہ کہ ہمارے ملک میں۔ اس ملک میں تو انگلستان کے برعکس اسے وہ اخلاق پیدا کرنے مطلوب تھے جو بھاڑے کے ٹٹوؤں (Mercenaries) میں ہونے چاہئیں کہ اپنے ہاتھوں اپنے ہی ملک کو فتح کرکے اپنی قوم کے دشمنوں کے حوالے کر دیں اور پھر اپنے ملک کا نظم و نسق اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے چلاتے رہیں۔ اس کام کے لئے جیسے اخلاقیات کی ضرورت تھی' ویسے ہی اخلاقیات انگریزوں نے یہاں پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہی کو پیدا کرنے کے لئے وہ تعلیمی مشینری بنائی جو آج تک جوں کی توں اسی شان سے چل رہی ہے۔ اس مشین سے ایک آزاد ملک کے لئے قابل اعتماد پرزے ڈھلنے کی اگر کوئی شخص توقع رکھتا ہے تو اسے پہلے اپنی عقل کے ناخن لینے کی فکر کرنی چاہئے۔

ایک انقلابی قدم کی ضرورت

اگر ہمیں اپنے موجودہ نظام تعلیم کی اصلاح کرنی ہے تو پھر ہم کو ایک انقلابی قدم اٹھانا ہو گا۔ درحقیقت اب یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ وہ دونوں نظام تعلیم ختم کر دیئے جائیں جو اب تک ہمارے ہاں رائج رہے ہیں۔ پرانا مذہبی نظام تعلیم بھی ختم کیا جائے اور یہ موجودہ نظام تعلیم بھی جو انگریز کی رہنمائی میں قائم ہوا تھا۔ ان دونوں کی جگہ ہمیں ایک نیا نظام تعلیم بنانا چاہئے جو ان کے نقائص سے پاک ہو اور ہماری ان ضرورتوں کو پورا کر سکے جو ہمیں ایک مسلمان قوم اور ایک آزاد قوم اور ایک ترقی کی خواہش مند قوم کی حیثیت سے اس وقت لاحق ہیں۔ اسی نظام تعلیم کا نقشہ اور اس کے

قائم کرنے کا طریقہ میں یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مقصد کا تعین:

اس نئے نظام تعلیم کی تشکیل میں اولین چیز جسے ہم کو سب سے پہلے طے کرنا چاہئے یہ ہے کہ ہمارے پیش نظر تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ بعض لوگوں کے نزدیک تعلیم کا مقصد بس علم حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو بالکل غیرجانبدارانہ تعلیم دی جانی چاہئے تاکہ وہ زندگی کے مسائل اور معاملات اور حقائق کا بالکل معروضی مطالعہ (Objective Study) کریں اور آزادانہ نتائج اخذ کر سکیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس طرح کا معروضی مطالعہ صرف فوٹو کے کیمرے کیا کرتے ہیں' انسان نہیں کر سکتے۔ انسان ان آنکھوں کے پیچھے ایک دماغ بھی رکھتا ہے جو بہرحال اپنا ایک نقطہ نظر رکھتا ہے' زندگی میں اپنا ایک مقصد رکھتا ہے۔ مسائل کے متعلق سوچنے کا ایک طرز رکھتا ہے اور جو کچھ بھی دیکھتا ہے' جو کچھ بھی سنتا ہے' جو کچھ بھی معلومات حاصل کرتا ہے اُسے اپنی فکر کے سانچے میں ڈھالتا جاتا ہے جو اس کے اندر بنیادی طور پر موجود ہوتی ہے۔ پھر اسی فکر کی بنیاد پر اس کا وہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے جس کو ہم اس کی کلچر کہتے ہیں۔ اب اگر ہم ایک کلچر رکھتے ہیں اور ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کے اپنے کچھ عقائد ہیں' جس کا اپنا ایک نظریہ زندگی ہے جس کا اپنا ایک نصب العین ہے' جو اپنی زندگی کے کچھ اصول رکھتی ہے۔ تو لازماً" ہمیں اپنی نئی نسلوں کو اس غرض کے لئے تیار کرنا چاہئے کہ وہ ہماری اس کلچر کو سمجھیں' اس کی قدر کریں' اس کو زندہ رکھیں اور آگے لے اس کی اصلی بنیادوں پر ترقی دیں۔ دنیا کی ہر قوم اس غرض کے لئے اپنا مستقل نظام تعلیم قائم کیا کرتی ہے۔ مجھے کوئی قوم ایسی معلوم نہیں جس نے اپنا نظام تعلیم خالص معروضی بنیادوں پر قائم کیا ہو جو اپنی نسلوں کو بے رنگ تعلیم دیتی ہو اور اپنے ہاں ایسے غیر جانبدار نوجوان پرورش کرتی ہو جو تعلیم سے فارغ ہو کر آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کریں کہ انہیں اپنی قومی تہذیب کی پیروی کرنی ہے یا کسی دوسری تہذیب

کی۔ اسی طرح مجھے ایسی بھی کوئی آزاد قوم معلوم نہیں ہے جو دوسروں سے ان کا نظام تعلیم جوں کا توں لے لیتی ہو اور اپنی تہذیب کا کوئی رنگ اس میں شامل کئے بغیر اسی کے سانچے میں اپنی نئی نسلوں کو ڈھالتی چلی جاتی ہو۔ رہی یہ بات کہ کوئی قوم اپنے لئے دوسروں کا تجویز کردہ ایک ایسا نظام تعلیم اختیار کرے جو اس کے نوجوانوں کی نگاہ میں اپنی قوم اور اس کے مذہب' اس کی تہذیب' اس کی تاریخ' ہر چیز کو ذلیل خوار کر کے رکھ دے اور ان کے دل و دماغ پر انہی لوگوں کے تصورات و نظریات کا ٹھپہ لگا دے جنہوں نے اس کے لئے نظام تجویز کیا ہے تو میرے نزدیک یہ بدترین خودکشی ہے جس کا ارتکاب کوئی صاحب عقل قوم بحالت ہوش و حواس نہیں کر سکتی۔ یہ حماقت اگر پہلے ہم کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے کر رہے تھے تو اب آزاد ہونے کے بعد اسے حسب سابق جاری رکھنے کے کوئی معنی نہیں۔ اب تو ہمارا نظام زندگی ہمارے اختیار میں ہے۔ اب لازماً ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب کو اور ہماری قومی تہذیب ہمارے دین کے سوا اور کیا ہے؟ لہٰذا ہمارے دین کو اچھی طرح سمجھتے ہوں' اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں' اس کے اصولوں کو خوب جانتے ہوں اور ان کے برحق ہونے کا یقین رکھتے ہوں۔ اس کے مطابق مضبوط سیرت اور قابل اعتماد اخلاق رکھتے ہوں اور اس قابلیت کے مالک ہوں کہ ہماری اجتماعی زندگی کے پورے کارخانے کو ہماری اس تہذیب کے اصولوں پر چلا سکیں اور مزید ترقی دے سکیں۔

دین و دنیا کی تفریق مٹادی جائے:

دوسری چیز جو ہمیں اپنے نظام تعلیم میں بطور اصول کے پیش نظر رکھنی چاہئے اور اس کی بنیاد پر ہمارا سارا نظام تعلیم بننا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم دین اور دنیا کی اس تفریق کو ختم کر دیں۔ دین و دنیا کی تفریق کا یہ تخیل ایک عیسائی تخیل ہے یا بدھ مذہب' یا ہندوؤں اور جوگیوں کا ہے۔ اسلام کا تخیل اس کے بالکل برعکس ہے۔

ہمارے لئے اس سے بڑی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنے نظام تعلیم میں اپنے نظام تمدن میں اور اپنے نظام مملکت میں دین اور دنیا کی تفریق کے اس تخیل کو قبول کر لیں۔ ہم اس کے بالکل قائل نہیں ہیں کہ ہماری ایک تعلیم دنیوی ہو اور ایک تعلیم دینی۔ اس کے برعکس ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری پوری کی پوری تعلیم بیک وقت دینی بھی ہو اور دنیوی بھی۔ دنیوی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو دین ہی کے نقطہ نظر سے سمجھیں اور دین کی ہدایت کے مطابق اس کا سارا کام چلائیں۔ اسلام وہ مذہب نہیں ہے جو آپ سے یہ کہتا ہو کہ دنیا کے کام آپ جس طرح چاہیں چلاتے رہیں اور بس اس کے ساتھ چند عقائد اور عبادات کا ضمیمہ لگائے رہیں۔ اسلام زندگی کا محض ایک ضمیمہ بننے پر کبھی قانع نہ تھا اور نہ آج ہے۔ وہ تو پوری زندگی میں آپ کا راہنما اور پوری زندگی کے لئے آپ کا طریق عمل بننا چاہتا ہے۔ وہ دنیا سے الگ محض عالم بالا کی باتیں نہیں کرتا بلکہ پوری دنیا کے مسئلے پر بحث کرتا ہے۔ وہ آپ کو بتاتا ہے کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے اس دنیا میں آپ کس غرض کے لئے آئے ہیں' آپکا مقصد زندگی کیا ہے کائنات میں آپ کی اصلی پوزیشن کیا ہے' اور اس دنیا میں آپ کو کس طریقے سے کن اصولوں پر کام کرنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے آخرت میں جو کچھ بھی آپ کو پھل ملنے والے ہیں وہ اس بات پر منحصر ہیں کہ دنیا کی اس کھیتی میں آپ کیا بوتے ہیں۔ اس کھیتی کے اندر زراعت کرنا وہ آپ کو سکھاتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں آپ کا سارا طرز عمل کیا ہو جس کے نتیجے میں آپ کو آخرت کا پھل ملے۔ اس قسم کا ایک دین کیسے یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ آپ کے ہاں ایک تعلیم دنیوی ہو اور دوسری دینی' یا ایک دنیوی تعلیم کے ساتھ محض ایک مذہبی ضمیمہ لگا دیا جائے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ آپ کی پوری تعلیم دینی نقطہ نظر سے ہو۔ اگر آپ فلسفہ پڑھیں تو دینی نقطہ نظر سے پڑھیں تاکہ آپ ایک مسلمان مورخ بن سکیں۔ آپ معاشیات پڑھیں تو اس قابل بنیں کہ اپنے ملک کے پورے معاشی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ آپ سیاسیات پڑھیں تو اس لائق بنیں کہ اپنے ملک کا نظام حکومت اسلام کے

اصولوں پر چلا سکیں۔ آپ قانون پڑھیں تو اسلام کے معیار عدل و انصاف پر معاملات کے فیصلے کرنے کے لائق ہوں۔ اس طرح دین و دنیا کی تفریق مٹا کر پوری کی پوری تعلیم کو دینی بنا دینا چاہتا ہے۔ اس کے بعد کسی جداگانہ مذہبی نظام تعلیم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کے یہی کالج آپ کے لئے امام اور مفتی اور علمائے دین بھی تیار کریں گے اور آپ کی قومی حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے سیکرٹری اور ڈائریکٹر بھی۔

تشکیل سیرت:

تیسری بنیادی چیز جو نئے نظام تعلیم میں ملحوظ رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں تشکیل سیرت کو کتابی علم سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ محض کتابیں پڑھانے اور محض علوم و فنون سکھا دینے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہمارے ایک نوجوان کے اندر اسلامی کیریکٹر پیدا ہو' اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت پیدا ہو۔ خواہ وہ سائنٹسٹ ہو' خواہ وہ کوئی علوم عمران کا ماہر ہو' خواہ وہ ہماری سول سروس کے لئے تیار ہو رہا ہو' جو بھی ہو اس کے اندر اسلامی ذہنیت اور اسلامی کیریکٹر ضرور ہونا چاہیے۔ یہ چیز ہماری تعلیمی پالیسی کے بنیادی مقاصد میں شامل ہونی چاہیے۔ جس آدمی میں اسلامی اخلاق نہیں وہ چاہے جو کچھ بھی ہو' بہرحال ہمارے کسی کام کا نہیں۔

عملی نقشہ

ان اصولی باتوں کی وضاحت کے بعد اب میں تفصیل کے ساتھ یہ بتاؤں گا کہ وہ اسلامی نظام تعلیم جس کو ہم یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں' اس کا عملی نقشہ کیا ہے۔

ابتدائی تعلیم

سب سے پہلے تو ابتدائی تعلیم کو لیجئے جو اس عمارت کی بنیاد ہے۔ اس میں وہ

سب مضامین پڑھائیے جو آج کے پرائمری اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں ابتدائی تعلیم کے متعلق جتنے تجربات کیے گئے ہیں اور آئندہ کئے جائیں گے۔ سب سے فائدہ اٹھائیے' لیکن چار چیزیں ایسی ہیں جو اس کے ہر مضمون میں پیوست ہونی چاہئیں۔

اول یہ کہ بچے کے ذہن میں ہر پہلو سے یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ دنیا ایک خدا کی سلطنت اور ایک خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہاں ہم خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے مامور ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے خدا کی امانت ہے۔ جو ہمارے حوالے کی گئی۔ اس امانت کے معاملے میں ہم خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہاں ہر طرف جدھر بھی نگاہ ڈالی جائے' ادھر آیات الٰہی پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ ایک حکمران ہے جو ان سب پر حکومت کر رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کے لئے جس وقت بچہ داخل ہو اس وقت سے پرائمری سکول کے آخری مرحلہ تک دنیا سے اس کو آشنا اور روشناس ہی اس طرز پر کیا جاتا رہے کہ ہر سبق کے اندر یہ تصورات شامل ہوں حتیٰ کہ وہ الف سے آتا یا ایٹم بم نہ سیکھے بلکہ اللہ سیکھے۔ یہ وہ چیز ہے جو بچوں میں اول روز سے اسلامی ذہنیت پیدا کرنی شروع کر دے گی اور ان کو اس طرح سے تیار کرے گی کہ آخری مراحل تعلیم تک' جب کہ وہ ڈاکٹر بنیں گے' یہی بنیاد اور یہی جڑ کام دیتی رہے گی۔

دوم یہ کہ اسلام جن اخلاقی تصورات اور اخلاقی اقدار کو پیش کرتا ہے انہیں ہر مضمون کے اسباق میں' حتیٰ کہ حساب کے سوالات تک میں' طرح طرح سے بچوں کے ذہن نشین کیا جائے' وہ جن چیزوں کو نیکی اور بھلائی کہتا ہے ان کی اقدار اور ان کے لئے رغبت اور شوق بچوں کے دل میں پیدا کیا جائے اور وہ جن کو برائی قرار دیتا ہے ان کے لئے ہر پہلو سے بچوں کے دل میں نفرت بٹھائی جائے۔ آج ہماری قوم میں جو لوگ رشوتیں کھا رہے ہیں' اور طرح طرح کی بددیانتیاں کر رہے ہیں وہ سب ان درسگاہوں سے پڑھ کر نکلے ہیں جہاں طوطے مینا اور گائے بیل کے سبق تو پڑھائے جاتے ہیں مگر

اخلاقی سبق نہیں پڑھائے جاتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں ہر طالب علم کو جو تعلیم دی جائے اس کے رگ و پے میں اخلاقی مضامین پیوست ہوں اس کے اندر رشوت خوری کے خلاف شدید جذبہ نفرت ابھارا جائے۔ اس کے اندر حرام طریقوں سے مال کمانے اور کھانے والوں پر سخت تنقید کی جائے اور اس کے برے نتائج بچوں کے ذہن نشین کرائے جائیں' اس کے اندر جھوٹ سے' دھوکے اور فریب سے' خودغرضی اور نفس پرستی سے' چوری اور جعلسازی سے' بدعہدی اور خیانت سے' شراب اور سود اور قمار بازی سے' ظلم اور بے انصافی اور لوگوں کے حق مارنے سے سخت نفرت دلوں میں بٹھائی جائے اور بچوں کے اندر ایک ایسی رائے عام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ جس شخص میں بھی وہ اخلاقی برائیوں کا اثر پائیں اس کو بری نگاہ سے دیکھیں اور اس کے متعلق برے خیالات کا اظہار کریں۔ یہاں تک کہ انہی درسگاہوں سے فارغ ہو کر اگر آگے کوئی شخص ایسا نکلے جو ان برائیوں میں مبتلا ہو تو اس کے اپنے ساتھی اس کو لعنت ملامت کرنے والے ہوں' نہ کہ داد دینے والے اور ساتھ دینے والے۔ اسی طرح ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ نیکیاں جن کو اسلام انسان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے' ان کو درسیات میں بیان کیا جائے' ان کی طرف رغبت دلائی جائے' ان کی تعریف کی جائے' ان کے اچھے نتائج تاریخ سے نکال نکال کر بتائے جائیں اور عقل سے ان کے فائدے سمجھائے جائیں کہ یہ نیکیاں حقیقت میں انسانیت کے لئے مطلوب ہیں اور انسانیت کی بھلائی انہی کے اندر ہے۔ بچوں کو دلنشین طریقے سے بتایا جائے کہ وہ اصلی خوبیاں کیا ہیں جو ایک انسان کے اندر ہونی چاہئیں اور ایک بھلا آدمی کیسا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ان کو صداقت اور دیانت کا' امانت اور پاس عہد کا' عدل و انصاف اور حق شناسی کا' ہمدردی اور اخوت کا' ایثار اور قربانی کا' فرض شناسی اور پابندی حدود کا' اکل حلال اور ترک حرام کا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرنے کا سبق دیا جائے اور عملی تربیت سے بھی اس امر کی کوشش کی جائے کہ بچوں میں یہ اوصاف نشوونما پائیں۔

سوم یہ کہ ابتدائی تعلیم میں ہی اسلام کے بنیادی حقائق اور ایمانیات بچوں کے ذہن نشین کرا دیئے جائیں۔ اس کے لئے اگر ایک الگ دینیات کے کورس کی ضرورت محسوس ہو تو وہ بنایا جا سکتا ہے' لیکن بہر حال صرف اسی ایک کورس پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان ایمانیات کو دوسرے تمام مضامین میں بھی روح تعلیم کی حیثیت سے پھیلا دیا جائے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہر مسلمان بچے کے دل میں توحید کا عقیدہ' رسالت کا عقیدہ' آخرت کا عقیدہ' قرآن کے برحق ہونے کے عقیدہ' شرک اور کفر اور دہریت کے باطل ہونے کا عقیدہ پوری قوت کے ساتھ بٹھا دیا جائے اور یہ تلقین ایسے طریقے سے ہونی چاہئے کہ بچہ یہ محسوس نہ کرے کہ یہ کچھ دعویٰ اور کچھ تحکمات ہیں جو اس سے منوائے جا رہے ہیں' بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ یہی کائنات کی معقول ترین حقیقتیں ہیں' ان کا جاننا اور ماننا انسان کے لئے ضروری ہے اور ان کو مانے بغیر آدمی کی زندگی درست نہیں ہو سکتی۔

چہارم یہ کہ بچے کو اسلامی زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے جائیں اور اس سلسلے میں وہ تمام فقہی مسائل بیان کر دیئے جائیں جو ایک دس برس کے لڑکے اور لڑکی کو معلوم ہونے چاہئیں۔ طہارت و پاکیزگی کے احکام' وضو کے مسائل' نماز اور روزے کے طریقے' حرام اور حلال کے ابتدائی حدود' معاشرتی زندگی کے پسندیدہ اطوار' یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر مسلمان بچے کو معلوم ہونی چاہئیں۔ ان کو صرف بیان ہی نہ کیا جائے بلکہ ایسے طریقے سے ذہن نشین کیا جائے جس سے بچے یہ سمجھیں کہ ہمارے لئے یہی احکام ہونے چاہئیں' یہ احکام بالکل برحق ہیں اور ہم کو ایک ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے ان احکام کا پابند ہونا چاہئے۔

ثانوی تعلیم

اس کے بعد اب ہائی سکول کی تعلیم کو لیجئے۔ اس مرحلے میں سب سے پہلی چیز جسے میں ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ عربی زبان کو بطور لازمی زبان پڑھایا جائے۔

اسلام کے اصل ماخذ سارے کے سارے عربی زبان میں ہیں۔ قرآن عربی زبان میں ہے' حدیث عربی زبان میں ہے' ابتدائی صدیوں کے فقہا اور علماء نے جتنا کام کیا ہے ان کی ساری کتابیں بھی عربی زبان میں ہیں۔ کوئی شخص اسلام کی سپرٹ کو پوری طرح سے نہیں سمجھ سکتا اور نہ اس میں اسلامی ذہنیت پیوست ہو سکتی ہے جب تک کہ وہ قرآن کو براہ راست اس کی اپنی زبان میں نہ پڑھے۔ محض ترجموں سے کام نہیں چلتا۔ اگرچہ ہم چاہتے ہیں کہ ترجمے بھی پھیلیں تاکہ ہمارے عوام الناس کم از کم یہ جان لیں کہ ہمارا خدا ہمیں کیا حکم دیتا ہے لیکن ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں میں کوئی ایسا نہیں ہونا چاہئے جو عربی زبان سے ناواقف ہو' اس لئے ہم عربی کو بطور ایک لازمی مضمون کے شامل کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک شخص جب ہائی سکول سے فارغ ہو کر نکلے تو اس کو اتنی عربی آتی ہو کہ وہ ایک سادہ عربی عبارت کو صحیح پڑھ اور سمجھ سکے۔

ثانوی تعلیم کا دوسرا لازمی مضمون قرآن مجید ہونا چاہئے جس کے کم از کم دو پارے ہر میٹرک پاس طالب علم اچھی طرح سمجھ کر پڑھ چکا ہو۔ وقت بچانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے کہ ہائی اسکول کے آخری مرحلوں میں عربی زبان قرآن ہی کے ذریعہ پڑھائی جائے۔

تیسرا لازمی مضمون اسلامی عقائد کا ہونا چاہئے جس میں طلبہ کو نہ صرف ایمانیات کی تفصیل سے آگاہ کیا جائے بلکہ انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ ہمارے پاس ان عقائد کے دلائل کیا ہیں' انسان کو ان کی ضرورت کیا ہے۔ انسان کی عملی زندگی سے ان کا ربط کیا ہے۔ ان کے ماننے یا نہ ماننے کے کیا اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اور ان عقائد پر ایمان لانے کے اخلاقی اور عملی تقاضے کیا ہیں۔ یہ امور ایسے طریقے سے طلبہ کے ذہن نشین کئے جائیں کہ وہ محض باپ دادا کے مذہبی عقائد ہونے کی حیثیت سے ان کو نہ مانیں بلکہ یہ ان کی اپنی رائے بن جائیں۔

اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاقیات کو بھی ابتدائی تعلیم کی بہ نسبت ثانوی تعلیم میں زیادہ تفصیل اور تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے اور تاریخ سے نظیریں

پیش کرکے یہ بات ذہن نشین کی جائے کہ اسلام کے یہ اخلاقیات محض خیالی اصول اور کتابی نظریے نہیں ہیں بلکہ عمل میں لانے کے لئے ہیں اور فی الواقع اس سیرت و کردار کی ایسی رائے عام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ اسلام جن اوصاف کی مذمت کرتا ہے طلبہ خود ان اوصاف کو برا سمجھیں' ان سے بچیں اور اپنی سوسائٹی میں ان صفات کے لوگوں کو ابھرنے نہ دیں اور اسلام جن اوصاف کو محمود اور مطلوب قرار دیتا ہے ان کو وہ خود پسند کریں' ان کو اپنے اندر نشوونما دیں اور ان کی سوسائٹی میں انہی اوصاف کے لوگوں کی ہمت افزائی ہو۔

میٹرک کے معیار تک پہنچتے پہنچتے ایک بچہ جوان ہو چکا ہوتا ہے اس مرحلے میں اس کو اسلامی زندگی کے متعلق ابتدائی تعلیم کی بہ نسبت زیادہ تفصیلی احکام جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں اس کو شخصی اور ذاتی زندگی' خاندانی زندگی اور تمدن و معاشرت اور لین دین کے متعلق ان تمام ضروری احکام سے واقف ہونا چاہئے جو کہ ایک جوان آدمی کے لئے درکار ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ ان احکام کو اتنی تفصیل کے ساتھ جانے کہ مفتی بن جائے' لیکن اس کی معلومات اتنی ضرور ہونی چاہئیں کہ وہ اس معیار کی زندگی بسر کر سکے جو ایک مسلمان کا معیار ہونا چاہئے۔ یہ کیفیت تو نہ ہو کہ ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی نکاح' طلاق' رضاعت اور وراثت کے متعلق کوئی سرسری علم بھی نہیں ہوتا اور اس ناواقفیت کی وجہ سے بسا اوقات وہ شدید غلطیاں کر جاتے ہیں جن سے سخت قانونی پیچیدگیاں واقع ہو جاتی ہیں۔

تاریخ کی تعلیم میں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہائی اسکول کے طلباء (جن غریبوں کو آج تک تاریخ انگلستان پڑھائی جا رہی ہے) نہ صرف اپنے ملک کی تاریخ پڑھیں بلکہ اس کے ساتھ اسلام کی تاریخ سے بھی واقف ہوں۔ ان کو تاریخ انبیاء سے واقف ہونا چاہئے تاکہ وہ جان لیں کہ اسلام ایک ازلی و ابدی تحریک ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں یکایک شروع نہیں ہو گئی تھی ان کو سیرت نبوی اور سیرت خلفائے راشدین سے بھی واقف ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ ان مثالی شخصیتوں سے روشناس ہو جائیں

جو اس کے لئے معیار انسانیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد سے اب تک کی تاریخ کا ایک مجمل خاکہ بھی ان کے سامنے آجانا چاہئے تاکہ وہ جان لیں کہ مسلمان قوم کن کن مراحل سے گزرتی ہوئی موجودہ دور تک پہنچی ہے' یہ تاریخی معلومات نہایت ضروری ہیں۔ جس قوم کے نوجوانوں کو خود اپنے ماضی کا علم نہ ہو اس کے اندر اپنی قومی تہذیب کا احترام کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

اس تعلیم کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہائی اسکول کے مرحلے میں طلبہ کی عملی تربیت کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے۔ مثلاً ہائی اسکول میں کوئی مسلمان طالب علم ایسا نہیں ہونا چاہئے جو نماز کا پابند نہ ہو۔ طلبہ کے اندر ایسی رائے عام پیدا کی جانی چاہئے کہ وہ اپنے درمیان ایسے طالب علموں کو برداشت نہ کریں جو نماز کے پابند نہ ہوں اور ازروئے قاعدہ بھی کوئی طالب علم ایسا مدرسے میں نہ رہ سکے جو مدرسے کے اوقات میں نماز نہ پڑھتا ہو۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ نماز ہی بنیاد ہے جس پر عملاً اسلامی زندگی قائم ہوتی ہے یہ بنیاد منہدم ہو جانے کے بعد اسلامی زندگی ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لحاظ سے بھی آپ کو سوچنا چاہئے کہ ایک طرف آپ ایک طالب علم کو یہ بتاتے ہیں کہ نماز فرض ہے' یہ خدا نے تجھ پر فرض کی ہے۔ دوسری طرف آپ اپنے عملی برتاؤ سے روز یہ بات اس کے ذہن نشین کرتے ہیں کہ اس فرض کو فرض جانتے اور مانتے ہوئے بھی اگر تو ادا نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ اسے روزانہ منافقت کی اور ڈیوٹی سے فرار کی اور ضعف سیرت کی مشق کرا رہے ہیں۔ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ یہ تعلیم و تربیت پا کر جب وہ نکلے گا تو آپ کے تمدن اور آپ کی ریاست کا فرض شناس کارکن ثابت ہو گا؟ اپنے سب سے بڑے فرض کی چوری میں مشاق ہو جانے کے بعد تو وہ ہر فرض سے چوری کرے گا' خواہ وہ سوسائٹی کا فرض ہو یا ریاست کا یا انسانیت کا۔ اس صورت میں آپ کو اسے ملامت نہ کرنی چاہئے بلکہ اس نظام تعلیم کو ملامت کرنی چاہئے جس نے اول روز سے اس کو یہ سکھایا تھا کہ فرض ایک ایسی چیز ہے جس کو فرض جاننے کے بعد بھی چھوڑا جا

سکتا ہے۔ اپنے نوجوانوں کو غدارے بے وفائی سکھانے کے بعد آپ یہ ہرگز امید نہ رکھیں کہ وہ قوم، ملک، ریاست کسی چیز کے بھی مخلص اور وفادار ہوں گے۔ تعلیم کے کورس میں بلند خیالات اور معیاری اوصاف بیان کرنے کا آخر فائدہ ہی کیا ہے۔ اگر سیرت و کردار کو ان خیالات اور معیارات پر قائم کرنے کی عملاً کوشش نہ کی جائے۔ دل میں اونچے خیالات رکھنے اور عمل ان کے خلاف کرنے سے رفتہ رفتہ سیرت کی جڑیں بالکل کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی سیرت ہی بودی اور کھوکھلی ہو وہ مجرد اپنی ذہنی اور علمی قابلیتوں سے کوئی کارنامہ کر کے نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے ہمیں ثانوی تعلیم کے مرحلے میں، جب کہ نئی نسلیں بچپن سے جوانی کی سرحد میں داخل ہوتی ہیں، اس امر کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ایک ایک لڑکے اور لڑکی کے اندر مضبوط سیرت پیدا کریں اور انہیں یہ سکھائیں کہ تمہارا عمل تمہارے علم کے مطابق ہونا چاہیے۔ جس چیز کو حق جانو اس کی پیروی کرو، جسے فرض جانو اسے ادا کرو، جسے بھلائی جانو اسے اختیار کرو، اور جسے برا جانو اسے ترک کر دو۔

جہاں تک ثانوی مرحلے کے عام مضامین کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ جاری رہیں گے البتہ ان کے نصاب کی کتابیں اسلامی تصورات کی روشنی اور ان کے پس منظر کے ساتھ از سر نو تیار کرنی پڑیں گی۔

اعلیٰ تعلیم

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کو لیجیے۔ اس مرحلے میں ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کے لئے ایک عام نصاب ہو جو تمام طلبہ اور طالبات کو پڑھایا جائے خواہ وہ کسی شعبہ علم کی حاصل کر رہے ہوں، اور ایک نصاب خاص ہو جو ہر شعبہ علم کے طلبہ و طالبات کو ان کے مخصوص شعبے کی مناسبت سے پڑھایا جائے۔

عام نصاب میں میرے نزدیک تین چیزیں شامل ہونی چاہئیں:

(۱) قرآن مجید اس طرح پڑھایا جائے کہ ایک طرف طلبہ قرآن کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو جائیں، اور دوسری طرف ان کی عربی اس حد تک ترقی کر جائے

کہ وہ قرآن کو ترجمے کے بغیر اچھی طرح سمجھنے لگیں۔

(۲) حدیث کا ایک مختصر مجموعہ جس میں وہ احادیث جمع کی جائیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر' اس کی اخلاقی تعلیمات پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ مجموعہ بھی ترجمے کے بغیر ہونا چاہئے تاکہ طلباء اس کے ذریعے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی زبان دانی میں بھی ترقی کر سکیں۔

۳۔ اسلامی نظام زندگی کا ایک جامع نقشہ جس میں اسلام کی اعتقادی بنیادوں سے لے کر عبادات' اخلاق' معاشرت' تہذیب و تمدن' معیشت' سیاست اور صلح و جنگ تک ہر پہلو کو وضاحت کے ساتھ معقول اور مدلل طریقے سے بیان کیا جائے تاکہ ہمارا ہر تعلیم یافتہ نوجوان اپنے دین کو اچھی طرح سمجھ لے اور جس شعبہ زندگی میں بھی وہ آگے کام کرے اسمیں اسلام کی سپرٹ' اس کے اصول اور اس کے احکام کو ملحوظ رکھ کر کام کر سکے۔

خاص نصاب ہر مضمون کی کلاسوں کے لئے اسلامی تصورات کی روشنی میں اور ان کے پس منظر کے ساتھ الگ پڑھایا جائے اور وہ صرف اسی مضمون کے طلباء کے لئے ہو۔ مثلاً:

جو طلبہ فلسفہ لیں ان کو دوسرے فلسفیانہ نظاموں کے ساتھ اسلامی فلسفہ بھی پڑھایا جائے۔ مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اسلامی فلسفے سے مراد وہ فلسفہ نہیں ہے جو مسلمانوں نے ارسطو اور افلاطون اور فلاطینوس وغیرہ سے لیا اور پھر اس کو انہی خطوط پر آگے بڑھایا۔ اور اس سے مراد وہ علم کلام بھی نہیں ہے جسے یونانی منطق و فلسفہ سے متاثر ہو کر ہمارے متکلمین نے اس غرض کے لئے مرتب کیا تھا کہ اسلامی حقائق کو اپنے وقت کے فلسفیانہ نظریات کی روشنی میں اور منطق کی زبان میں بیان کریں۔ یہ دونوں چیزیں اب صرف اپنی ایک تاریخی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔ انہیں پڑھایا ضرور جائے مگر اس حیثیت سے کہ یہ تاریخ فلسفہ کے دو اہم ابواب ہیں جن کو مغربی مصنفین

بالعموم نظر انداز کر کے طالبان علم کے ذہن پر یہ اثر جماتے رہے ہیں کہ دنیا کے عقلی ارتقاء میں قدیم یونانی فلاسفہ سے لے کر آج تک جو کچھ بھی کام کیا ہے صرف یورپ کے لوگوں نے کیا ہے لیکن مسلمان فلاسفہ اور متکلمین کا یہ کام نہ "اسلامی فلسفہ" تھا اور نہ اسے اس نام سے آج ہمیں اپنے طلبہ کو پڑھانا چاہئے۔ ورنہ یہ سخت غلط فہمی کا بلکہ گمراہی کا موجب ہو گا۔ "اسلامی فلسفہ" دراصل کہیں مرتب شدہ موجود نہیں ہے بلکہ اسے اب نئے سرے سے ان بنیادوں پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے جو ہمیں قرآن میں ملتی ہیں۔ قرآن مجید ایک طرف انسانی علم و عقل کی حدود بتاتا ہے۔ دوسری طرف وہ محسوسات کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو تلاش کرنے کا صحیح راستہ بتاتا ہے۔ تیسری طرف وہ منطق کے ناقص طرز استدلال کو چھوڑ کر عقل عام کے مطابق ایک سیدھا سادا طریق استدلال بتاتا ہے اور ان سب کے ساتھ وہ ایک پورا نظریہ کائنات و انسان پیش کرتا ہے جس کے اندر ذہن میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ ان بنیادوں پر ایک نیا فن استدلال ایک نیا طریق تفلسف' ایک نیا فلسفہ ما بعد الطبیعت' ایک نیا فلسفہ اخلاق اور ایک نیا علم النفس مرتب کیا جا سکتا ہے جسے اب مرتب کرانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہمارے فلسفے کے طلباء فلسفہ قدیم و جدید کی بھول بھلیاں میں داخل ہو کر پھنسے کے پھنسے نہ رہ جائیں بلکہ اس سے نکلنے کا راستہ بھی پالیں اور دنیا کو ایک نئی روشنی دکھانے کے قابل بن سکیں۔

اسی طرح تاریخ کے طلباء کو تاریخ پڑھانے کے ساتھ اسلامی تاریخ بھی پڑھائی جائے اور فلسفہ تاریخ کے دوسرے نظریات کے ساتھ اسلام کے فلسفہ تاریخ سے بھی روشناس کیا جائے۔ یہ دونوں مضمون بھی تشریح طلب ہیں ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے بارے میں جو عام غلط فہمیاں موجود ہیں ان کی وجہ سے میرا مدعا آپ کے سامنے واضح نہ ہو گا۔ اسلامی تاریخ کا مطلب بالعموم مسلمان قوموں اور ریاستوں کی تاریخ یا ان کے تمدن اور علوم و آداب کی تاریخ سمجھا جاتا ہے اور اسلامی فلسفہ تاریخ کا نام سن کر معاً ایک طالب علم ابن خلدون کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ میں علم تاریخ کے نقطۂ

نظر سے ان دونوں چیزوں کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کرتا نہ یہ کہتا ہوں کہ یہ چیزیں پڑھائی نہ جائیں۔ مگر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ دو الگ چیزیں ہیں اور ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کو اسلام کے فلسفہ تاریخ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ کا اطلاق دراصل جس چیز پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ کے دوران اسلام کے ان اثرات کا جائزہ لیا جائے جو مسلمان ہونے والی قوموں کے خیالات، علوم، آداب، اخلاق، تمدن، سیاست، اور فی الجملہ پورے اجتماعی طرز عمل پر مرتب ہوئے اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ ان اثرات کے ساتھ دوسرے غیر اسلامی اثرات کی آمیزش کس کس طرح ہوتی رہی ہے اور اس آمیزش کے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسلامی فلسفہ تاریخ سے مراد درحقیقت قرآن کا فلسفہ تاریخ ہے جس میں وہ ہمیں انسانی تاریخ کو دیکھنے کے لئے ایک خاص زاویہ نگاہ دیتا ہے اس سے نتائج اخذ کرنے کا ایک خاص ڈھنگ بتاتا ہے اور قوموں کے بننے اور بگڑنے کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسلامی فلسفے کی طرح اسلامی تاریخ اور اسلامی فلسفہ تاریخ پر بھی اس وقت تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، جو نصاب کے طور پر پڑھائی جا سکے۔ ان دونوں موضوعات پر اب کتابیں لکھنے اور لکھوانے کی ضرورت ہے تاکہ اس خلا کو بھرا جا سکے جو ان کے بغیر ہماری تعلیم تاریخ میں رہ جائے گا۔

جہاں تک علوم عمرانی (Social Sciences) کا تعلق ہے، ان میں سے ہر ایک میں اسلام کا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے اور ہر ایک میں وہ اپنے اصول رکھتا ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی تعلیم میں اس علم سے متعلق اسلامی تعلیمات کو بھی لازماً" شامل ہونا چاہئے۔ مثلاً" معاشیات میں اسلامی اصول معیشت اور سیاسیات میں اسلام کا سیاسی نظریہ اور نظام وغیرہ۔ رہے فنی علوم، مثلاً" انجینئرنگ، طب اور سائنس کے مختلف شعبے تو ان سے اسلام بحث نہیں کرتا، اس لئے ان میں سے کسی خاص اسلامی نصاب کی حاجت نہیں ہے ان کے لئے وہی عام نصاب اور اخلاقی تربیت کافی ہے جس کا ابھی اس

سے پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

اختصاصی تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے بعد اختصاصی تعلیم کو لیجئے جس کا مقصود کسی ایک شعبہ علم میں کمال پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس معاملے میں جس طرح ہمارے ہاں دوسرے علوم و فنون کی اختصاصی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح اب قرآن' حدیث' فقہ اور دوسرے علوم اسلامیہ کی اختصاصی تعلیم کا بھی ہونا چاہئے تاکہ ہمارے ہاں اعلیٰ درجہ کے مفسر' محدث اور فقیہہ اور علمائے دین پیدا ہو سکیں۔ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے اس کی تعلیم تو میرے خیال میں ہمارے لاء کالجوں میں ہونی چاہئے' اس کے لئے ہم کو تعلیم کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس مسئلے پر اس سے پہلے میں دو لیکچروں میں مفصل بحث کر چکا ہوں جو ۱۹۴۸ء میں لاء کالج لاہور میں ہوئے تھے' یہ دونوں لیکچر "اسلامی قانون" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ رہے قرآن و حدیث اور دوسرے علوم اسلامیہ تو ان کی اختصاصی تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں کو خاص انتظامات کرنے چاہئیں۔ جن کا مختصر خاکہ میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

میرے خیال میں اس مقصد کے لئے ہمیں مخصوص کالج یا یونیورسٹیوں کے تحت الگ شعبے قائم کرنے ہوں گے جن میں صرف گریجوایٹ یا انڈر گریجوایٹ داخل ہو سکیں۔ ان اداروں میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہونی چاہئے۔

۱۔ عربی ادب' تاکہ طلبہ میں اعلیٰ درجے کی علمی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد پیدا ہو سکے اور اس کے ساتھ وہ عربی زبان لکھنے اور بولنے پر بھی قادر ہوں۔

۲۔ علوم قرآن' جن میں پہلے اصول تفسیر' تاریخ علم تفسیر' اور فن تفسیر کے مختلف اسکولوں کی خصوصیات سے طلبہ کو آشنا کیا جائے اور پھر قرآن مجید کا تحقیقی مطالعہ کرایا جائے۔

۳۔ علوم حدیث' جن میں اصول حدیث' تاریخ علم حدیث' اور فن جرح و تعدیل

پڑھانے کے بعد حدیث کی اصل کتابیں ایسے طریقے سے پڑھائی جائیں کہ طلبہ ایک طرف خود احادیث کو پرکھنے اور ان کی صحت و سقم کے متعلق رائے قائم کرنے کے قابل ہو جائیں اور دوسری طرف حدیث کے بیشتر ذخیرے پر ان کو نظر حاصل ہو جائے۔

۴۔ فقہ' جس کی تعلیم لا کالجوں کی تعلیم فقہ سے ذرا مختلف ہو۔ یہاں صرف اتنا کافی ہے کہ طلبہ کو اصول فقہ' تاریخ علم فقہ' مذاہب فقہ کی امتیازی خصوصیات اور قرآن و حدیث کے نصوص سے استنباط احکام کے طریقے اچھی طرح سمجھا دیئے جائیں۔

۵۔ علم العقائد' علم کلام اور تاریخ علم کلام' جسے اس طریقے سے پڑھایا جائے کہ طلبہ اس علم کی حقیقت سے واقف ہو جائیں اور متکلمین اسلام کے پورے کام پر ان کو جامع نظر حاصل ہو جائے۔

۶۔ تقابل ادیان' جس میں دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی تعلیمات سے' ان کی امتیازی خصوصیات سے اور ان کی تاریخ سے طلبہ کو آشنا کیا جائے۔

اس تعلیم سے جو لوگ فارغ ہوں' مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ آپ کی ڈگری کا نام کیا رکھیں مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں آئندہ انہی لوگوں کو "علمائے دین" کہا جانا چاہیے جو اس ڈگری کو حاصل کریں' اور ان کے لئے ان تمام اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے کھلے ہونے چاہیں جو دوسرے مضامین کے ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی حضرات کو مل سکتی ہیں۔

لازمی تدابیر

یہ ہے میرے نزدیک اس نظام تعلیم کا نقشہ جو موجودہ مذہبی تعلیم اور دنیوی تعلیم کے نظام کو ختم کر کے' اس ملک میں قائم ہونا چاہیے۔ مگر اصلاح حال کی ساری کوشش لاحاصل رہے گی جب تک مذکورہ بالا اصلاحات کے ساتھ ساتھ حسب ذیل

اقدامات بھی نہ کئے جائیں۔

سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی تعلیمی پالیسی کی باگیں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیں جو اسلامی فکر رکھتے ہوں اسلامی نظام تعلیم کو جانتے ہوں اور اسے قائم کرنا چاہتے بھی ہوں۔ یہ کام اگر ہو سکتا ہے تو ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں سے ہو سکتا ہے نہ کہ ان لوگوں کے ہاتھوں جو نہ اسلام کو جانتے ہیں نہ اس کے نظام تعلیم کو اور نہ اس کے قیام کی کوئی خواہش ہی دل میں رکھتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ اگر زمام کار پر قابض رہیں اور پھر ہم رات دن کی چیخ پکار سے دباؤ ڈال ڈال کر ان سے یہ کام زبردستی کراتے رہیں تو باول نخواستہ وہ کچھ اسی طرح کی ضمنی اور سطحی "اصلاحات" کرتے رہیں گے جیسی اب تک ہوتی رہی ہیں اور ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے مدرسوں اور کالجوں کے لئے معلمین اور معلمات کے انتخاب میں ان کی سیرت و اخلاق اور دینی حالت کو ان کی تعلیمی قابلیت کے برابر بلکہ اس سے زیادہ اہمیت دیں اور آئندہ کے لئے معلمین کی ٹریننگ میں بھی اسی مقصد کے مطابق اصلاحات کریں۔ جو شخص تعلیم کے معاملہ میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ نظام تعلیم میں نصاب اور اس کی کتابوں سے بڑھ کر استاد اور اس کا کیریکٹر اور کردار زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ فاسد العقیدہ اور فاسد الاخلاق استاد اپنے شاگردوں کو ہرگز وہ ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں دے سکتے جو ہمیں اپنے نئے نظام تعلیم میں مطلوب ہیں۔ دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی میں تو بگڑے کارکن زیادہ تر موجودہ نسل ہی کو بگاڑتے ہیں مگر نظام تعلیم اگر بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو وہ آئندہ نسل کا بھی ناس کر دیتے ہیں جس کے بعد مستقبل میں بھی کسی صلاح و فلاح کی امید باقی نہیں رہتی۔

آخری چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمیں اپنی تعلیم گھوں کا پورا ماحول بدل کر اسلام کے اصول اور اسپرٹ کے مطابق بنانا ہو گا۔ یہ مخلوط تعلیم' یہ فرنگیت کے

مظاہر، یہ از فرق تابقدم مغربی تہذیب و تمدن کا غلبہ، یہ کالجوں کے مباحثے اور انتخابات کے طریقے، اگر یہ سب کچھ آپ کے ہاں یونہی جاری رہے اور ان میں سے کسی چیز کو بھی آپ بدلنے کے لئے تیار نہ ہوں تو پھر ختم کیجئے اصلاح تعلیم کی ساری اس گفتگو کو اس لئے کہ اس ذہنی و تہذیبی غلامی کے ماحول میں ایک آزاد مسلم مملکت کے وہ باعزت شہری اور کارکن و کارفرما کبھی پروان نہیں چڑھ سکتے جنہیں اپنی قومی تہذیب پر فخر ہو۔ اور اس بے سیرتی کی آب و ہوا میں کبھی اس مضبوط کردار کے لوگ پرورش نہیں پاسکتے جو اصول اور ضمیر کے معاملے میں کوئی لچک کھانے کے لئے تیار نہ ہوں۔ یہ ماحول برقرار رکھنا ہو تو پھر ہمیں سرے سے یہ خیال ہی چھوڑ دینا چاہئے کہ یہاں ہمیں ایک ایمان دار اور باضمیر قوم تیار کرنی ہے۔ آخر یہ کیا مذاق ہے کہ ایک طرف آپ خدا اور رسول کے صریح احکام کی خلاف ورزی کر کے جوان لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ بٹھاتے ہیں اور دوسری طرف آپ چاہتے ہیں کہ انہی لڑکوں اور لڑکیوں میں خدا کا خوف اور اخلاقی قوانین کا احترام پیدا ہو۔ ایک طرف آپ اپنی تمام حرکات و سکنات اپنے پورے ماحول سے اپنی نئی نسلوں کے ذہن پر فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی طرز زندگی کا رعب بٹھاتے ہیں اور دوسری طرف آپ چاہتے ہیں کہ زبانی باتوں سے ان کے دلوں میں اپنی قومی تہذیب کی قدر پیدا ہو جائے۔ ایک طرف آپ اپنے مباحثوں میں روز اپنے نوجوانوں کو زبان اور ضمیر کا تعلق توڑنے اور ضمیر کے خلاف بولنے کی مشق کراتے ہیں اور دوسری طرح آپ چاہتے ہیں کہ ان کے اندر راست بازی اور حق پرستی پیدا ہو۔ ایک طرف آپ ان کو وہ سارے انتخابی ہتھکنڈے اپنے کالجوں ہی میں برتنے کا خوگر بناتے ہیں جنہوں نے پوری سیاسی زندگی کو گندا کر کے رکھ دیا ہے اور دوسری طرف آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ یہاں سے نکل کر وہ بڑے ایمان دار اور کھرے ثابت ہوں گے۔ ایسے معجزات کا ظہور صریحاً محال ہے اگر ہم اپنی قومی زندگی کو خرابیوں سے پاک کرنے کے واقعی خواہشمند ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول کی تطہیر سے اس کا آغاز کرنا ہوگا۔

عورتوں کی تعلیم

جہاں تک عورتوں کی تعلیم کا تعلق ہے یہ اسی قدر ضروری ہے جتنی کہ مردوں کی تعلیم۔ کوئی قوم اپنی عورتوں کو جاہل اور پسماندہ رکھ کر دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس لئے ہمیں عورتوں کی تعلیم کے لئے بھی اسی طرح بہتر سے بہتر انتظام کرنا ہے جیسا کہ مردوں کی تعلیم کے لئے۔ یہاں تک کہ ہمیں ان کی فوجی تربیت کا بھی بندوبست کرنا ہے، کیونکہ ہمارا سابقہ ایسی ظالم قوموں سے ہے جنہیں انسانیت کی کسی حد کو پھاندنے میں تامل نہیں ہے۔ کل اگر خدانخواستہ کوئی جنگ پیش آ جائے تو نہ معلوم کیا کیا بربریت ان سے صادر ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو مدافعت کے لئے بھی تیار کریں۔ لیکن ہم اول و آخر مسلمان ہیں اور جو کچھ بھی کرنا ہے ان اخلاقی قیود اور تہذیبی حدود کے اندر رہتے ہوئے کرنا ہے جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور جن کی علمبرداری پر ہم مامور ہیں۔

ہمیں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری تہذیب مغربی تہذیب سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ دونوں میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ مغربی تہذیب عورت کو اس وقت تک کوئی عزت اور کسی قسم کے حقوق نہیں دیتی جب تک کہ وہ ایک مصنوعی مرد بن کر مردوں کی ذمہ داریاں بھی اٹھانے کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ مگر ہماری تہذیب عورت کو ساری عزتیں اور تمام حقوق اسے عورت رکھ کر ہی دیتی ہے اور تمدن کی انہی ذمہ داریوں کا بار اس پر ڈالتی ہے جو فطرت نے اس کے سپرد کی ہیں۔ اس لئے ہمارے ہاں عورتوں کی تعلیم کا انتظام ان کے فطری وظائف و ضروریات کے مطابق اور مردوں سے بالکل الگ ہونا چاہئے۔ یہاں اوپر سے لے کر نیچے تک کسی سطح پر بھی مخلوط تعلیم کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

جہاں تک عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں عملی تدابیر و اصلاحات کا تعلق ہے جو

اصلاحات اوپر پرائمری سے اختصاصی درجوں تک بیان کی گئی ہیں وہ عورتوں کی تعلیم میں بھی اسی طرح سے شامل ہونی چاہئیں جیسی کہ مردوں کی تعلیم میں۔ اس کے علاوہ عورتوں کی تعلیم میں اس بات کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ان کی اصل اور فطری ذمہ داری زراعتی فارم اور کارخانے اور دفاتر چلانے کے بجائے گھر چلانے اور انسان سازی کی ہے۔ ہمارے نظام کو ان کے اندر ایک ایسی مسلمان قوم وجود میں لانے کی قابلیت پیدا کرنی چاہیئے جو دنیا کے سامنے اس فطری نظام زندگی کا عملی مظاہرہ کر سکے جو خود خالق کائنات نے بنی نوع انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

رسم الخط

ہمارے ملک میں یہ عجیب صورت حال ہے کہ ایک طرف تو قومی اتحاد کی ضرورت کا بار بار اظہار کیا جاتا ہے اور دوسری طرف طے شدہ مسائل کو نئے سرے سے نزاعی بنانے ہی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ایسے ایسے نئے نزاعی مسائل بھی پیدا کئے جاتے ہیں جن کے متعلق کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کے بارے میں بھی ہمارے ہاں کوئی اختلاف موجود ہے۔ اسی قبیل سے یہ جدید مبحث ہے جو اردو اور بنگلہ کے لئے رومن رسم الخط اختیار کرنے کے سلسلے میں چھیڑ دیا گیا ہے۔

جہاں تک بنگلہ زبان کا تعلق ہے میرے لئے اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس بارے میں اہل بنگال ہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اہل بنگال پچھلی صدی تک عربی رسم الخط میں ہی بنگلہ زبان لکھتے رہے کتابیں تصنیف کرتے رہے اور اسی رسم الخط سے مانوس رہے۔ یہ دراصل انگریزوں اور ہندوؤں کا ساز باز تھا جس نے عربی رسم الخط کی جگہ ہندو رسم الخط بنگال میں رائج کرایا۔ ان کی پالیسی یہ تھی کہ مسلمانوں کو ان کی تاریخ اور ان کے مذہبی لٹریچر سے بیگانہ کیا جائے۔ اور ان کو ہندوؤں کے زیر اثر لایا جائے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے ابتدائی مدارس کے قیام کے لئے

سرکاری امداد (گرانٹ) دینے میں یہ شرط عائد کی کہ یہ امداد صرف اسی گاؤں کے پرائمری اسکول کو دی جائے گی جو عربی رسم الخط پڑھانے والا مکتب بند کردے گا۔ اسی طرح بنگلہ زبان کا موجودہ رسم الخط مسلمانوں پر زبردستی ٹھونسا گیا اور مشرقی پاکستان کے مسلمان تقریباً ایک صدی تک اس ظلم کا شکار رہنے کے بعد اب اس رسم الخط سے اس قدر مانوس ہو چکے ہیں کہ شاید وہ مشکل ہی سے اس کی تبدیلی پر راضی ہو سکیں۔ تاہم اس معاملے میں کچھ کہنا کسی غیر بنگالی کے لئے مناسب نہیں۔ یہ فیصلہ کرنا ہمارے بنگالی بھائیوں ہی کا کام ہے کہ کس رسم الخط کو پسند کرتے ہیں۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے اس کا رسم الخط اگر عربی میں تبدیل کیا جائے تو چنداں قابل اعتراض نہیں ہے۔ نئے نسخ ٹائپ کو ترقی دے کر اس حد تک موزوں بنایا جاسکتا ہے کہ اردو زبان پڑھنے والے جلدی اور با آسانی اس سے مانوس ہو جائیں۔ لیکن رومن رسم الخط اختیار کرنا ممکن ہے کہ ہماری فوج والوں کے لئے قابل قبول ہو کیونکہ انگریزی حکومت پہلے ہی ان کو اس سے مانوس کر چکی ہے مگر ہماری قوم کے لئے یہ متعدد حیثیات سے ایک نہایت مہلک قدم ہے جس کے نتائج بہت دور رس ہوں گے۔

اس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہو گا کہ ہمارا آج تک کا اردو لٹریچر ہماری نئی نسلوں کے لئے بالکل بیکار ہو جائے گا۔ یا تو ہمیں بے شمار دولت اور محنت اور وقت صرف کر کے اپنے بزرگوں کی ساری میراث کو جو اردو، فارسی، اور عربی زبان میں ہے رومن رسم الخط میں از سرنو چھاپنا پڑے گا یا پھر ہماری نئی نسلیں اپنے ماضی سے بالکل بیگانہ ہو کر ایک دم کٹی قوم کی حیثیت سے اٹھیں گی جن کی کوئی روایات نہ ہوں گی۔ جن کی کوئی تہذیب نہ ہو گی۔ جن کے پاس کوئی قابل فخر چیز نہیں ہو گی جس کی طرف وہ پلٹ کر دیکھیں۔ اس طرح ہم اپنے صدیوں کے سرمایہ علم و تہذیب سے عاری ہو کر بالکل نودولتے بن کر رہ جائیں گے۔ یہ برے نتائج ترکی دیکھ چکا ہے۔ ترکی قوم کے علماء اور اہل قلم نے صدہا برس کی محنتوں سے جو علمی ذخیرہ چھوڑا تھا وہ آج ان کی لائبریریوں

میں آثار قدیمہ کے طور پر پڑا ہوا ہے اور نئی نسلوں کے لئے اس کا سمجھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا تو درکنار اسے پڑھنا بھی ممکن نہیں رہا ہے۔ قریب کے زمانے میں جب وہاں مذہبی تعلیم کی ضرورت از سر نو محسوس کی گئی اور اماموں اور خطیبوں کی تیاری کے لئے مدارس قائم کئے گئے تو ترک نوجوانوں کو پرانی ترکی زبان جو ۳۰ '۳۵ سال پہلے تک ملک میں رائج تھی بالکل ایک غیر ملکی زبان کی طرح از سر نو سیکھنی پڑی۔ یہ تجربہ آخر ہمارے ملک میں دہرانے کی کیا حاجت ہے؟ جو قوم ابھی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد ایک مدت دراز تک نئے تعمیری کام کرنے کی محتاج ہے آخر اس کو اس وقت اس تجربے کا کیوں تختہ مشق بنایا جائے۔

اس کا دوسرا عظیم الشان نقصان یہ ہو گا کہ ہماری علمی ترقی کی رفتار یک لخت رک جائے گی اور رسم الخط کی کشمکش میں اچھا خاصا زمانہ صرف ہو جائے گا۔ ہمارے باشندے نسلاً بعد نسل ایک رسم الخط سے مانوس چلے آ رہے ہیں۔ یہ کسی طرح ممکن نہ ہو گا کہ حکومت ایک حکم دے دے اور بس وہ یکایک نئے رسم الخط کے عادی ہو جائیں ایک مدت تک وہ نئے رسم الخط سے مانوس نہیں ہوں گے اور پرانا رسم الخط جس سے وہ مانوس ہیں' خواہ مخواہ زبردستی متروک ہو جائے گا اور اس طرح جو وقت تعلیم اور خواندگی کی ترقی میں صرف ہونا چاہئے محض ایک رسم الخط کی فضول کشمکش میں ضائع ہو گا۔ نئے لوگوں کو خواندہ بنانے کے بجائے یہ حرکت کر کے تو ہم پڑھے لکھے لوگوں کو بھی ایک مدت کے لئے ان پڑھ بنا دیں گے۔ ہمارے اہل قلم اور مصنفین بھی کئی سال تک کوئی علمی کام نہ کر سکیں گے کیونکہ نئے رسم الخط پر اس قدر قدرت حاصل کرنے میں انہیں کئی برس لگیں گے کہ وہ اس میں روانی کے ساتھ لکھ سکیں۔

اس کا تیسرا نقصان یہ ہے کہ ہم اپنے گرد و پیش سے بیگانہ ہو جائیں گے۔ انڈونیشیا اور افغانستان سے لے کر مشرق وسطی اور شمالی افریقہ اور مغرب تک کی عام مسلمان قومیں عربی رسم الخط میں لکھتی پڑھتی ہیں ہمارا اردو رسم الخط ان کے لئے ایک مانوس اور معروف رسم الخط ہے جس کی وجہ سے ہمارا اور ان کا تہذیبی رشتہ مضبوط

رہتا ہے۔ رومن رسم الخط اختیار کرنے سے ہم ان کے لئے اسی طرح اجنبی ہو جائیں
گے جس طرح ترک ہو گئے ہیں۔ ترکوں نے رومن رسم الخط اختیار کرکے ہمسایہ
مسلمان قوموں سے اور مغربی قوموں سے ان کا رشتہ نہ جڑ سکا
قوموں سے ہے مگر ہم مسلمان قوموں میں رہتے ہوئے جب
رومن رسم الخط اختیار کریں گے تو ہماری حیثیت مغربی آباد کاروں کے ایک جزیرے کی
سی ہو کر رہ جائے گی۔

ان نقصانات کے مقابلہ میں آخر وہ کیا فوائد ہیں جو رومن رسم الخط اختیار کرنے
میں نظر آتے ہیں کہ ان کی خاطر ان نقصانات کو انگیز کر لیا جائے؟ اگر صرف یہ مقصود
ہے کہ بنگلہ اور اردو دونوں کا ایک رسم الخط ہو جائے تو یہ عربی رسم الخط اختیار کرنے
سے زیادہ اچھی طرح حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو قرآن کی
خاطر یہ رسم الخط تو بہر حال سیکھنا ہی پڑتا ہے اگر طباعت کی آسانیوں کی خاطر اس کی
ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو یہ مقصد بھی خط نسخ سے با آسانی حاصل ہو سکتا ہے۔
ایران، مصر، شام وغیرہ میں خط نسخ کی طباعت انتہائی ترقی پر پہنچ چکی ہے اور کوئی وجہ
نہیں کہ ہمارے ہاں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے ماسوا اگر کوئی فوائد ہیں تو وہ سامنے
لائے جائیں ورنہ بہتر ہے کہ یہ بحث لپیٹ کر رکھ دی جائے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا
ہوں کہ اگر ملک میں کوئی استصواب عام کرایا جائے تو اردو خواں لوگوں کی آبادی میں
ایک فی ہزار بھی مشکل سے ملیں گے جو رومن رسم الخط کے حق میں رائے دیں۔ یہ
تبدیلی عوام کی مرضی سے کبھی نہیں ہو سکتی۔ ہاں زبردستی کی جا سکتی ہے جو اپنے اچھے
اثرات کبھی نہیں چھوڑ کر جا سکتی۔

انگریزی کا مقام

جہاں تک انگریزی زبان کی تعلیم کا تعلق ہے جدید علوم کے حصول کے لئے اس کی ضرورت اور اہمیت کا کوئی شخص بھی انصاف کے ساتھ انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بات بہر حال غلط ہی نہیں سخت نقصان دہ ہے کہ یہ ہمارے ہاں ذریعہ تعلیم کے طور پر دی جا رہی ہے۔ کوئی باشعور اور بامقصد قوم اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہمیں کوئی چھوٹی یا بڑی آزاد قوم ایسی معلوم ہے جس نے کسی غیر ملکی زبان کو اپنے ہاں ذریعہ تعلیم بنایا ہو۔ اگر اپنی قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے میں کوئی مشکلات حائل ہیں تو ان کا حل تلاش کرنا چاہئے اور بلا کسی ناگزیر تاخیر کے پرائمری سے آخری درجوں تک اپنی قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہئے۔ انگریزی کو ایک اہم زبان کی حیثیت سے شامل نصاب ضرور رکھنا چاہئے۔ اور جو لوگ سائنس اور دوسرے جدید علوم حاصل کرنا چاہیں ان کے لئے اس زبان کو سیکھنا لازم بھی کیا جا سکتا ہے مگر اسے ذریعہ تعلیم بنائے رکھنا انتہائی غلط فعل ہے۔

عالم اسلام کی تعمیر میں

مسلمان طلبہ کا کردار

(یہ ایک تقریر ہے جو مصنف نے طلبہ کے ایک سالانہ اجتماع کے موقع پر کی تھی۔ اب اسے بعض ضروری تبدیلیوں کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے)

حمد و ثنا کے بعد

عزیز طلباء اور محترم حاضرین! جس موضوع پر مجھے اظہار خیال کرنا ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے میں اس بات پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ مسلم ممالک کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہر ہر جگہ خدا کے فضل سے ایسے نوجوان موجود ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہے، جو مسلمان کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں اور ہمارے تعلیمی اداروں میں اسلامی روح پھیلانے کے لئے کچھ نہ کچھ کوشش کر رہے ہیں۔ اگر کسی شخص کے دل میں ممالک اسلامیہ کی بھلائی کا جذبہ ہو تو وہ اس چیز کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ چیز کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے کہ نظام تعلیم اور نظام تربیت کے غلبہ کے باوجود ہماری درسگاہوں میں اس طرح کے نوجوان پائے جاتے ہیں اور ساری مشکلات کے باوجود اپنے اس فرض کو سرگرمی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

موضوع بحث

مجھے جس موضوع پر اس وقت اظہار خیال کرنا ہے وہ یہ ہے کہ بلاد اسلامیہ کے

مستقبل کی تعمیر میں طلبہ کا کردار کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات سب سے پہلے ذہن نشین کر لیجئے کہ میرا خطاب اس وقت ان تمام مسلم ممالک کے طلبہ سے ہے جو مغربی استعمار کی براہ راست غلامی میں رہنے' یا مغربی اقوام سے ہر میدان میں شکستیں کھانے کے بعد' ان کے افکار اور ان کی تہذیب سے مغلوب ہو گئے ہیں' اور جن کی زندگی کا ہر شعبہ تعلیم و تربیت کے شعبے سمیت انہی نظریات اور طریقوں پر چل رہا ہے جو اہل مغرب سے ان کو ملے ہیں۔ میرے نزدیک ان تمام ممالک کے حالات ایک جیسے ہیں' اور ان سب ملکوں میں طلبہ کو ایک ہی اہم مسئلہ سے سابقہ در پیش ہے۔

عالم اسلام سے مراد امت مسلمہ ہے

دوسری بات جو آپ کی نگاہ میں رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ عالم اسلام سے مراد اس کی زمین نہیں ہے' اس کے پہاڑوں اور دریاؤں کا نام نہیں ہے۔ ان انسانوں کا نام ہے جو اس سرزمین میں رہتے ہیں۔ یہ انسان فانی ہیں۔ ہر ایک کو اپنی ایک عمر گزار کر رخصت ہو جانا ہے۔ اس سرزمین میں ہماری تہذیب' ہماری ثقافت' ہمارا تمدن اور ہمارا نظام زندگی اگر باقی رہ سکتا ہے تو صرف اسی طرح رہ سکتا ہے کہ جو میراث ہم نے اپنے اسلاف سے پائی ہے وہ آگے کی نسل کو ٹھیک ٹھیک سونپ دیں اور اس کو اس قابل بنا کر جائیں کہ وہ اس میراث کو صحیح طریقے سے آئندہ نسلوں کے حوالے کر سکے۔

قوموں کے فنا اور بقا سے کیا مراد ہے؟

دنیا میں جو قومیں مٹی ہیں وہ اس معنی میں نہیں مٹی ہیں کہ ان کی نسل ختم ہو گئی۔ وہ اگر مٹی ہیں تو اس لئے کہ ان کا قومی تشخص ختم ہو گیا۔ ہم جب دیکھتے ہیں کہ مثلاً" بابل کی قوم مٹ گئی یا فراعنہ مصر کی قوم مٹ گئی تو وہ اس معنی میں ہوتا ہے کہ اہل بابل اور فراعنہ جس تہذیب کے علمبردار تھے اس کی خصوصیات مٹ گئیں۔ اور اس کے امتیازی اوصاف ختم ہو گئے۔ اہل بابل کی نسل آج بھی موجود ہے مگر ان کا تشخص ختم ہو گیا۔ قدیم مصریوں کی نسل بھی موجود ہے مگر فرعونی اور قبطی تہذیب و

ثقافت ختم ہو گئی کیونکہ ان کی نسلیں اس قابل نہ رہیں کہ بعد کی نسلوں تک اپنی قومی میراث کو ٹھیک ٹھیک منتقل کر سکتیں۔ کسی قوم کی نئی نسلیں اگر اپنا قومی تشخص کھو دیں اور کوئی دوسرا تشخص اختیار کر لیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قوم ختم ہو گئی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دس قبیلے غائب ہو گئے جن کا آج کہیں پتہ نہیں چلتا۔ یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ ان کا قتل عام ہوا تھا اور ان کا بیج ہی دنیا سے مٹ گیا بلکہ اس معنی میں ہیں کہ ان کے اندر سے اسرائیلیت کا احساس ختم ہو گیا اور ان کی نسلوں میں اسرائیلی شعور نہ رہا۔ اسرائیلی خصوصیات اور اسرائیلی تہذیب و تمدن کے امتیازی اوصاف کھو دینے کے بعد وہ دنیا کی دوسری قوموں میں جذب ہو کر رل مل گئے اور آج خود ان کی اولاد بھی یہ نہیں جانتی کہ ہم اسرائیلی ہیں۔ اس لئے ایک قوم کے زندہ رہنے کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنی آئندہ نسل کو اس طرح تیار کرے جس سے وہ اس کے قومی تشخص کو برقرار رکھ سکے۔ اسی چیز کی اہمیت میں اس وقت آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں۔

تہذیبی میراث کو آئندہ نسلوں تک منتقل کیا جائے

یہ زمین جسے آج ہم عالم اسلام سے تعبیر کرتے ہیں' ہمارے اسلاف نے اس غرض کے لئے حاصل کی تھی کہ یہاں اسلامی تہذیب جلوہ گر ہو۔ ہم جس نظام زندگی کے قائل ہیں اس کو یہاں عمل میں لایا جا سکے۔ ہم جن قوانین اور جن اصول حیات کو صحیح سمجھتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سرزمین میں رائج ہوں۔ مسلمان قوم کے بقا کا انحصار بھی دوسری تمام قوموں کی طرح اس بات پر ہے کہ جو تہذیب' جو تمدن' جو اصول حیات اسلام کے نام سے موسوم ہیں' جن کو ہم نے اپنے بزرگوں سے پایا ہے' جن کی بناء پر ہم دوسروں سے الگ ایک مسلمان قوم سمجھے جاتے ہیں' یہ صحیح طریقے سے آئندہ نسلوں تک پہنچیں۔ آئندہ نسلیں اسی رنگ میں رنگی جائیں اور ان کو ہم انہی اصولوں کے مطابق تیار کر کے جائیں تاکہ اس پاکستان میں مسلمان قوم زندہ

رہ سکے۔ مسلمان افراد زندہ نہیں رہ سکتے لیکن مسلمان قوم صدہا برس تک زندہ رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس قابل ہو کہ اس تہذیبی میراث کو منتقل کر سکے اور نسل در نسل اس کے منتقل ہونے کا سلسلہ چلتا رہے۔ اگر ہم ان امتیازی خصوصیات کو باقی نہ رکھ سکیں اور ہماری نئی نسلیں اسلامی تہذیب کے بجائے' مثلاً" امریکی تہذیب میں رنگی جائیں تو آئندہ یہ پاکستان نہیں ہو گا بلکہ امریکستان ہو گا۔ ہماری نسلیں موجود رہیں گی مگر امریکیت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہوں گی۔ وہ اسلامی تہذیب کا بقا نہیں ہو گا جس کے لئے یہ پاکستان حاصل کیا گیا تھا بلکہ وہ ایک دوسری تہذیب کا بقا ہو گا اس سے ہمارا قومی تشخص بدل جائے گا۔ اس چیز سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ طلبہ کا مسئلہ حقیقت میں کیا ہے اور کتنی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ محض تعلیم کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ہمارے قومی وجود اور اس کے بقا کا مسئلہ ہے۔ ہم یہاں ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے اسی طرح زندہ اور باقی رہ سکتے ہیں کہ ہماری نوجوان نسل جو درسگاہوں میں تیار ہو رہی ہے وہ ٹھیک ٹھیک اسلامی تہذیب کی حامل ہو اور اس کی علمبردار بن کر اس سرزمین میں رہے۔

تہذیبی میراث کو آگے منتقل کرنے کے طریقے

اس مقصد کو حاصل کرنے کی دو ہی شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ طلبا خود اس کے لئے کوشش کریں' اور دوسرے یہ کہ حکومت ملک کے نظام تعلیم و تربیت کو ایسا بنائے جس سے یہ مقصد حاصل ہو۔ میں ان چیزوں کو الگ الگ بیان کروں گا۔

وہ طریقہ جسے طلبہ اختیار کر سکتے ہیں

جو طلبہ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں وہ خدا کے فضل سے بالغ ہیں' سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور ان میں اپنے برے بھلے کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔ جو علم بھی وہ حاصل کر رہے ہیں' وہ کم از کم انہیں اس قابل تو ضرور بناتا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو سمجھنا چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں اور اپنا راستہ خود بنا سکتے ہیں۔

اس وجہ سے تمام تر انحصار بالکل حکومت ہی کی کوششوں پر نہیں ہے بلکہ خود طلبہ کی اپنی کوششوں پر بھی ہے۔ ہمارے نوجوان طلبہ کو خود یہ احساس ہونا چاہئے کہ وہ مسلمان ہیں اور اس سرزمین میں ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے رہنا ہے۔ ان کے اندر یہ خواہش ہونی چاہئے کہ وہ مسلمان قوم کی امتیازی خصوصیات کو سمجھیں اور برقرار رکھیں جنہیں کھو دینے کے بعد اس کا قومی تشخص قائم نہیں رہ سکتا۔

اسلام کے بنیادی عقائد

اسلام کا سارا دارومدار توحید کے عقیدے' رسالت کے عقیدے اور آخرت کے عقیدے پر ہے۔ ہر شخص کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ان تین چیزوں میں شک پیدا ہو جانے کے بعد کوئی شخص اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ ہر وہ چیز جو ان عقائد میں شک پیدا کرتی ہے درحقیقت وہ اسلامی تہذیب کی اور بالآخر خود پاکستان کی جڑ کاٹ دینے والی ہے۔ پاکستان زندہ نہ رہے گا اگر اس میں اسلامی تہذیب باقی نہ ہو' اور اسلامی تہذیب باقی نہیں رہ سکتی .... اگر اس میں توحید' رسالت اور آخرت کے عقیدے بنیاد کے طور پر موجود نہ ہوں۔

ان عقائد کی حفاظت لازمی ہے

سب سے زیادہ جس چیز کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے جن نوجوانوں میں کوئی اسلامی شعور موجود ہے' وہ اپنی درسگاہوں میں الحاد و دہریت اور تشکیک پیدا کرنے والی ہر تحریک کا مقابلہ کریں۔ کسی ایسی تحریک کو پنپنے نہ دیں جو ان بنیادی عقیدوں سے منحرف کرنے والی ہو جس طریقے سے بھی ممکن ہو ایسی ہر تحریک کا مقابلہ کرنا عالم اسلام کے بقا اور ملت اسلامی کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ان تین چیزوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شک پیدا کرتا ہے تو وہ صرف' ایک کفر ہی کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ حقیقت میں وہ ملت اسلامی کے ساتھ غداری کرتا ہے اور اس عالم اسلام کی جڑ کاٹتا ہے۔ اس احساس کو اچھی طرح

دلوں میں جاگزیں کر لیجئے۔ اگر آج تک اس معاملے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو آئندہ نہ ہونی چاہئے۔ ہمارے ملک کی کسی درسگاہ میں' کسی کالج' کسی یونیورسٹی اور کسی مدرسے میں بھی ملحدانہ نظریات و افکار کو نہ پھیلنے دیا جائے اور کسی ایسے فلسفے کو جڑ نہ پکڑنے دی جائے جو اسلام کے بنیادی عقائد میں شک پیدا کرنے والا ہو۔

اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب سے مکمل وابستگی

دوسری اہم چیز جس کی طرف ہمارے نوجوان طلبہ کو متوجہ ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہماری بقا کا انحصار جس طرح اسلام کے عقیدے پر ہے اسی طرح اسلامی اخلاق پر بھی ہے۔ عقیدے اور اخلاق میں گہرا تعلق ہے یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی عقیدہ ہی ہم سے چند خاص اخلاقیات کا تقاضا کرتا ہے۔ ہماری درسگاہوں میں ایک مدت دراز سے اخلاق کے معاملہ میں شدید غفلت ہی نہیں برتی جا رہی ہے بلکہ ایک ایسی ثقافت کو پرورش کیا جا رہا ہے جو اسلام کے تصورات کی اور اس کے تمام بنیادی اخلاقی نظریات کی ضد ہے۔ ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اخلاق جن کے بل پر کوئی مغربی قوم اٹھ سکتی ہے ہم اس کے بل پر نہیں اٹھ سکے۔ ہم اگر اٹھ سکتے ہیں تو ان اخلاقی نظریات کی بنیاد پر اٹھ سکتے ہیں جو اسلام نے ہم کو دیئے ہیں۔ مغرب کا ایک آدمی ناچ گا کر' شراب پی کر اور فواحش کا ارتقاب کرکے بھی اپنے ملک کے لئے قربانی دینے کھڑا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جن مادی فلسفوں پر اس کے اخلاق کی تعمیر ہوئی ہے' یہ چیزیں ان کی ضد نہیں ہیں لیکن ایک مسلمان جس کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ ان چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے وہ جب اس ثقافت کو اختیار کرتا ہے اور اس طرز زندگی کی پیروی کرتا ہے تو وہ حقیقت میں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے منہ موڑ کر ایسا کرتا ہے۔ ایک مغربی آدمی یہ کام کرکے اپنے اخلاقی اصولوں سے منہ نہیں موڑتا' لیکن ہم اس تہذیب کو اختیار کرتے ہیں تو ان تمام اصولوں کو توڑ ڈالتے ہیں جن پر ہمارے اخلاق کی بنیاد قائم

ہے۔ ایک مسلمان اگر شراب پیتا ہے تو اس کی حیثیت ایک مغربی کے شراب پینے سے بہت مختلف ہے۔ اگرچہ شراب کے جسمانی اور نفسانی نقصانات سب انسانوں کے لئے یکساں ہیں خواہ پینے والا مسلمان ہو یا کافر۔ لیکن ایک کافر کے دین میں چونکہ شراب حرام نہیں ہے اس لئے وہ جب اس کو استعمال کرتا ہے تو صرف ایک مضر چیز کا استعمال کرتا ہے' اپنے عقیدے پر لات نہیں مارتا۔ اس کے برعکس ایک مسلمان اس حرام فعل کا ارتکاب اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک اس کے اندر خدا اور رسولؐ سے بغاوت اور آخرت سے بے پراوئی کا جذبہ پرورش نہ پا چکا ہو اور اس کے بعد معاملہ صرف ایک حرمت کو توڑنے پر نہیں رکتا بلکہ پھر وہ تمام حرمتیں توڑتا اور اخلاقی بندشیں کاٹتا چلا جاتا ہے' پھر تو کوئی چیز اس کے لئے ایسی مقدس نہیں رہ جاتی جسے پامال کردینے سے وہ باز رہ جائے۔

اسلامی معاشرے کے اندر غیر اسلامی تہذیب کے نقصانات

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک غیر اسلامی تہذیب اگر ایک مسلمان قوم کے اندر رواج پا جائے تو اس کے نقصانات اس سے بدرجہا زیادہ ہیں جو کسی قوم میں اس تہذیب کے رواج پانے سے ہو سکتے ہیں۔ غیر مسلم پر اس تہذیب کے برے اثرات صرف اس حد تک ہوتے ہیں جتنے ہر غلط چیز کے اثرات کسی شخص یا قوم پر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کسی فاسقانہ تہذیب کو اختیار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمارے ایمان پر بھی زد پڑتی ہے۔ اس سے ہمارے ایمان کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں۔ ہمارے اندر خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے بجائے بغاوت پیدا ہوتی ہے اور اس بغاوت کے بعد یہ ممکن نہیں رہتا کہ ہم دنیا میں کسی وفاداری پر اور کسی نظم کی اطاعت پر قائم رہ سکیں۔ کیونکہ سب سے بڑھ کر جس کی وفاداری پر اطاعت ہم پر لازم تھی اس سے ہم پہلے ہی بغاوت کر چکے ہوتے ہیں اسی وجہ سے جب کوئی مسلمان ایک مرتبہ اسلامی احکام کی نافرمانی پر اتر آتا ہے تو وہ ایک نافرمانی پر بس نہیں کرتا بلکہ نافرمانیاں کرتا ہی

چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اندر کوئی احساس فرض باقی نہیں رہتا' کسی قانون کا احترام باقی نہیں رہتا' کسی حد پر جا کر اس کی اخلاقی گراوٹ نہیں رکتی۔ آپ اندازہ کیجئے کہ جب ایک شخص خدا کو خدا' محمدؐ کو خدا کا رسول اور قرآن کو خدا کی کتاب ماننے کے باوجود کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ خدا نے اس سے منع کیا ہے' رسولؐ نے اس کی مذمت کی ہے' قرآن نے اسے حرام کیا ہے اور آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ تو اس کے بعد آخر کیا چیز اسے کسی اخلاقی قدر کا احترام ملحوظ رکھنے پر آمادہ کر سکتی ہے؟ کسی لیجسلیچر کے قانون کا وہ کیسے پابند رہ سکتا ہے جسے وہ خدا نہیں مانتا؟ کسی قوم یا ملک کے لئے وہ اپنی ذات اور اپنی خواہشات کو کیسے قربان کر سکتا ہے جسے وہ معبود نہیں سمجھتا؟ اس کے اندر تو مقدس ترین چیزوں تک کی بے احترامی پیدا ہو چکی ہے اس کو تو قانون شکنی کا مرض لگ چکا ہے۔ اور اپنے ایمان کی رو سے وہ بلند ترین قانون کو توڑ چکا ہے۔ یہ قانون شکنی کسی حد پر جا کر نہ رکے گی بلکہ وہ مستقل طور پر قانون کی بے احترامی کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کے بعد توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی معاملہ میں بھی کسی قانون کا پابند رہے گا۔ ایسا شخص تو کسی مہذب سوسائٹی کا رکن بننے کے قابل نہیں رہتا کجا وہ ایک مسلم سوسائٹی کا رکن رہے۔

مسلم طلباء کے اندر غیر اسلامی ثقافت کو رواج دینے والے مجرم ہیں

اس چیز کو اگر کوئی شخص اچھی طرح سمجھ لے تو وہ یہ محسوس کرے گا کہ جو لوگ ہماری درسگاہوں میں ہمارے نوجوانوں کو عیاش بنا رہے ہیں' ان کو طاؤس و رباب کا شیفتہ بنا رہے ہیں' غیر اسلامی ثقافت کو ان میں رواج دے رہے ہیں' اور اسلامی اخلاق کی بندشوں کو توڑ ڈالنے کی بیماری انہیں لگا رہے ہیں' وہ کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور کتنی بڑی بدخواہی اس ملک کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ہمارے نوجوان طلبہ کو خود اس کے نقصانات محسوس کرنے چاہئیں۔ اگر ملک کا نظام چلانے

والے اپنی نادانی سے یہ غلطی کر رہے ہیں تو طلبہ کا یہ کام ہے کہ وہ خود اس سے بچیں اور اپنے آپ کو جہاں تک ہو سکے اس سے محفوظ رکھیں۔ انھیں اپنی درسگاہوں میں ایسی رائے عام پیدا کرنی چاہیے کہ طلبہ اس غلط تہذیب کو نہ خود اختیار کریں نہ اپنی سوسائٹی اور اپنی درسگاہوں میں اسے رواج پانے دیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر خود طلبہ ہی کے اندر ایسی رائے عام پیدا ہو جائے اور وہ خود اس چیز کے مخالف ہو جائیں تو وہ کون سی طاقت ہے جو ان درسگاہوں میں زبردستی اس ثقافت کو رواج دے سکے۔ ظاہر بات ہے کہ آپ کو پولیس کے ذریعے سے نچوایا نہیں جا سکتا۔ کوئی قانون بنا کر آپ کو غیر اسلامی ثقافت اپنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ایک شیطانی ترغیب ہی تو ہے جس سے لوگوں کو لاسہ لگایا جا رہا ہے اور ان کی عادتیں بگاڑنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ طلبہ اگر یہ محسوس کر لیں کہ یہ ایک بیماری ہے جو انھیں لگائی جا رہی ہے تو وہ خود اس سے بچنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور اپنی درس گاہوں میں اس طرح کی خرابیوں کے رواج پانے کی مزاحمت کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ طلبہ میں یہ عام رائے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہ دو باتیں تو وہ ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ خود طلبہ کے اپنے کرنے کی ہیں اور اگر وہ اس کے اوپر عمل کریں تو بہت بڑی حد تک ان خرابیوں کو دور کر سکتے ہیں جو اس وقت ہماری درسگاہوں میں پھیل رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہمارے نوجوان طلبہ کو اس بات کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ ان کو دین اسلام سے واقف کرانے کے معاملے میں جو کچھ بھی کوتاہی ہمارے نظام تعلیم میں کی گئی ہے اس کی تلافی وہ اپنی کوششوں سے کریں۔ میں بعد میں عرض کروں گا کہ حکومت کو اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے۔ لیکن فرض کیجیے کہ حکومت اس طرف توجہ نہیں کرتی تو دین اسلام کو جاننے کا جو فرض خود آپ پر شخصی حیثیت سے عائد ہوتا ہے وہ ساقط نہیں ہو جاتا ہر بالغ مسلمان کو جس کے اندر شعور پیدا ہو چکا ہو اور جو خود اپنے اختیار سے کام کرنے کے قابل ہو چکا ہو اس کا فرض ہے کہ جس اسلام کا وہ قائل ہے اور جس اسلام

کی نسبت سے وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے اس کو جاننے کی آپ ہی کوشش کرے۔ یہ علم حاصل کرنے کے لیے کچھ بہت زیادہ دینی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ دین کا کم سے کم خلاصہ تو آسانی کے ساتھ آدمی کو اپنی ذرا سی کوشش سے حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ کی اپنی زبان میں جو لٹریچر اسلامی موجود ہے اسی کا مطالعہ کیجئے اور کم از کم اتنا جان لیجئے کہ کافر اور مسلمان میں کیا فرق ہے' کیا بنیادی چیزیں ہیں جن سے ایک آدمی کافر سے مسلمان ہوتا ہے' ایک مسلمان کو کن چیزوں پر ایمان لانا چاہئے۔ اس کے فرائض کیا ہیں' اس کے لیے ممنوع کیا چیزیں ہیں' اس کے لیے اخلاق کے کیا' اصول ہیں جن کی پابندی اسے کرنی چاہئے' اس کے لئے زندگی بسر کرنے کے کیا طریقے اسلام نے مقرر کیے ہیں جن کی اس کو پیروی کرنی چاہئے۔ یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کے لیے کسی دینی درسگاہ میں ہی آپ کا جانا اور برسوں علوم دینی پڑھنا ضروری ہو۔ تھوڑی سی توجہ اور تھوڑی سی محنت سے ہمارا ہر نوجوان اسلام کا اتنا علم تو حاصل کر ہی سکتا ہے اور اس علم کے لیے ہر زبان میں کافی مواد موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے نوجوان خود اس علم کی ضرورت محسوس کریں اور اسے حاصل کرنے کی فکر کریں۔ یہ علم آپ کو امتحان پاس کرنے اور ڈگری لینے کے لیے نہیں بلکہ مسلمان بننے کے لیے درکار ہے۔

اس بارے میں ہماری حکومتوں کا فرض

ہماری حکومت کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ہمارے ملک میں اتنے بڑے پیمانے پر جو بد عنوانی (Corruption) پھیلی ہوئی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اسباب ہیں جن سے تمام تر کوششوں' تمام قوانین اور انٹی کرپشن (Anti Corruption) کے محکمے کے باوجود کرپشن گھٹنے کے بجائے بڑھ رہی ہے۔ اس کرپشن نے ہمارے پورے قانونی نظام کو بے کار کر کے رکھ دیا ہے۔ جو قانون بھی کسی برائی کی اصلاح کے لیے نافذ کیا جاتا ہے اس کو محض قانون کے نافذ کرنے والوں کی بددیانتی اور رشوت

خوری عملاً" نہ صرف معطل کردیتی ہے' بلکہ قانون کی ہر پابندی رشوت کا ایک نیا
دروازہ کھول دیتی ہے۔ مگر یہ معاملہ صرف اس حد تک نقصان پہنچا کر نہیں رہ جاتا۔
اسی کرپشن کی بدولت ہمارے ملک کا غلہ ہمارے دشمنوں کو ہزاروں ٹن کی مقدار میں
پہنچتا رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں بھارت کے جن علاقوں پر پاکستان کی فوجوں نے قبضہ کیا
ہے وہاں غلے کی بوریاں پائی گئی ہیں جو پاکستان سے گئی ہوئی تھیں۔ اس طرح یہ کرپشن
ہمارے دشمنوں کو ہمارے خرچ پر پالتا رہا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر آپ سوچیں تو
اس بات کا خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک آدمی اگر اپنے ملک میں اپنے بھائیوں سے سو
روپے لے کر بے ایمانی کرسکتا ہے تو آخر دشمنوں سے دس ہزار روپے لے کر ہمارا کوئی
راز ان کے ہاتھ کیوں نہیں بیچ سکتا۔ جب ایک قوم میں ضمیر فروشی اور بدیانتی کی وبا
پھیل جائے اور اس میں ہزاروں افراد ایسے موجود ہوں جو ذاتی مفاد پر قوم'
ملک' دین' ایمان ہر چیز کو قربان کرسکتے ہوں تو جس طرح ان کو خود اپنے ملک کے بگڑے
ہوئے لوگ استعمال کرسکتے ہیں اسی طرح باہر کے دشمن بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

خیانت اور بددیانتی کیوں پھیل رہی ہے؟

اب ذرا دیکھئے کہ اس کرپشن کی جڑ میں کیا چیز کام کر رہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ
اس ملک میں یہ جتنی بددیانتی اور رشوت خوری اور خیانت ہو رہی ہے اس کے مرتکب
ہمارے تعلیم یافتہ لوگ ہی تو ہیں۔ ملک کے سارے نظام حکومت اور معاشی نظام کو
وہی تو چلا رہے ہیں' دیہات کے ان پڑھ تو نہیں چلا رہے ہیں اور یہ لوگ ہماری انہی
درسگاہوں سے نکلے ہوئے ہیں۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کوئی نقص ہمارے نظام
تعلیم میں ضرور ایسا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمارے اندر اس قدر کثیر تعداد میں بددیانت
افراد تیار کرتا رہا ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے نظام
تعلیم میں جو نقائص ہیں ان میں سب سے بڑا بنیادی نقص یہ ہے کہ جن ایمانیات اور
جن عقائد پر ہماری تہذیب اور ہمارے اخلاق کی ساری بنیاد قائم ہے یہ تعلیم ان کو

تقویت پہنچانے کے بجائے الٹا ان کو کمزور کرتی ہے' ان میں شک پیدا کرتی ہے اور بعض لوگوں کو انکار کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اپنے یقین کی جڑیں ڈھیلی کیے بغیر اس تعلیم سے فارغ ہو کر خیریت نکل آتے ہوں۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب خدا اور آخرت اور رسالت ہی کے بارے میں ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت کے یقین و اعتقاد کو گھن لگ چکا ہو تو ہمارے پاس اور کون سی چیز ایسی ہے جسکا انجکشن دے کر ہم انہیں اخلاق کے اصولوں پر قائم رکھ سکیں؟ جس شخص کو نہ خدا کا خوف روکنے والا ہو نہ آخرت کی باز پرس کا احساس اس کے لیے مانع ہو اسے بددیانت اور خائن اور فرض ناشناس بننے سے آخر کیا چیز روک سکتی ہے؟ جس شخص کے اندر اپنی ذات سے بالا تر کسی چیز کی وفاداری باقی نہ رہی ہو اسے آپ کس طرح ذاتی مفاد کی قربانی پر آمادہ کر سکتے ہیں؟ قربانی کے لیے کوئی نہ کوئی بالا تر وفاداری تو بہر حال ضروری ہے اور ایک مسلمان کے لیے اگر کوئی بنیادی وفاداری ہے تو وہ صرف خدا اور رسول اور ملت اسلام کی وفاداری ہی ہے۔ اس وفاداری کو آپ کمزور کر دیں گے تو لوگوں کے اندر لامحالہ خود غرضی اور نفسانیت ہی پیدا ہو گی اور وہ اپنی ذات کے مفاد اور اپنی خواہشات پر کسی چیز کو قربان کر دینے میں تامل نہیں کریں گے۔

ملت کی اصلاح کے لیے اسلامی اصول ہی کارگر ہو سکتے ہیں

آپ صرف اس وفاداری کو مستحکم کر کے ہی اپنے افراد میں یہ صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ حق اور انصاف اور راستی پر قائم رہیں' محض خدا کے خوف اور آخرت کی جواب دہی کے احساس کی بنا پر ایسے ناجائز فائدے اٹھانے سے رک جائیں جن کا کوئی نقصان انہیں اس دنیا میں پہنچتا نظر نہ آتا ہو' اور محض اللہ اور اس کے دین کی وفاداری کی بنا پر ہر وہ قربانی کر گزریں جو بظاہر ان کی اپنی دنیا برباد کرتی نظر آتی ہو۔ دنیا کی دوسری قوموں کے لیے کچھ دوسری وفاداریاں اور کچھ دوسری قدریں ہیں جن پر ان کے اخلاق کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ان وفاداریوں اور قدروں کو آپ کو اپنی قوم

میں پیدا کرنا چاہیں تو آپ کو پچاس برس اس قوم کو غیر مسلم بنانے اور کم از کم ۵۰ برس ہی انہیں ایک اچھا فرنگی بنانے میں لگیں گے تب کہیں جا کر آپ یہاں کوئی قومی کیریکٹر پیدا کر سکیں گے بشرطیکہ اس وقت تک یہ ملک باقی رہ جائے۔ لیکن اسلام کی بنیاد پر لوگوں کے اخلاق بنانے کا کام آپ آج ہی سے شروع کر سکتے ہیں اور چند سال کے اندر یہ کام اپنے بہترین پھل دے سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول اور آخرت کے عقائد تو مسلمان نوجوانوں کو بہر حال ان کے ماں باپ سے ملے اور مسلم معاشرے کی آب و ہوا میں اور مسلمانوں کی قومی روایات میں وہ رچے بسے ہوئے ہیں۔ یہ جڑیں جو پہلے سے اس سرزمین میں موجود ہیں ان کو اگر آپ ذرا سا پانی بھی دیں تو یہ فوراً ہری ہوجائیں گی اور پھل دینے لگیں گی۔ انگریزوں کو چونکہ ہماری تہذیب اور ہمارے اخلاق سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ ہمارے مسلمان ہونے کو الٹا خطرناک سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے یہاں ایسا نظام تعلیم قائم کیا جو ہمارے ایمان کو کمزور کرنے والا' ہمارے عقائد کم از کم مشکوک بنا دینے والا' اور ہماری نگاہوں سے خود اپنی تہذیب کو گرا دینے والا تھا۔ ان کا سیاسی مفاد ہی اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ ہمیں اسلام سے جس حد تک منحرف کر سکتے ہوں' کریں۔ لیکن اب پاکستان بننے کے بعد اور خود اپنی ایک آزاد مملکت ہاتھ میں لینے کے بعد بھی اگر ہم اسی نظام تعلیم کو جاری رکھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دراصل خود کشی کر رہے ہیں۔

اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے اساتذہ غدار ہیں

ہماری درسگاہوں میں آج ایسے استاد موجود ہیں جو دن رات طلبہ کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ شب و روز ان کے دلوں میں یہ عقیدہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کی کوئی تہذیب نہیں ہے' اسلام کا کوئی تمدن نہیں ہے' اسلام کے کوئی سیاسی اصول نہیں ہیں۔ اسلام کے معاشی اصول اگر کچھ ہیں بھی تو وہ اس زمانے میں نہیں چل سکتے ۔ اسلام کے قوانین بالکل دقیانوسی ہیں جو اس ترقی یافتہ

دور کے لیے کسی طرح موزوں نہیں۔ تاریخ میں مسلمانوں کا کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں ہے جتنے بھی ہیرو دنیا میں گزرے ہیں سب غیر مسلم تھے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ جو استاد ہماری درسگاہوں میں ہمارے نوجوانوں کو سبق پڑھا رہے ہیں اور وہ ان کے دماغوں میں یہ فاسد خیالات بھر رہے ہیں ان سے بڑھ کر عالم اسلام اور ملت اسلامی کا غدار کوئی نہیں۔ یہ اس ملک کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے والے لوگ ہیں اور بد قسمت ہے وہ قوم جس کی نئی نسل اس طرح کے استادوں کی تعلیم سے پروان چڑھ رہی ہو۔ اس پر مزید غضب یہ ہے کہ متعدد اسلامی ممالک کے تعلیمی اداروں میں ایم۔ای ڈی اور سوشیالوجی کی تعلیم کا پورا شعبہ امریکن یا امریکیت زدہ استادوں کے حوالے کردیا گیا ہے جو بڑے پیمانے پر تعلیم اور معاشرت کے متعلق ہماری نئی نسل کے نظریات کو پوری طرح مسخ کر دینے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ آخر خودکشی نہیں تو اور کیا ہے؟

موجود نظام تعلیم کے نقائص

ہماری حکومت کو اب اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اس نظام تعلیم میں جو نقائص ہیں ان کو ہم کیسے دور کریں۔ ہمارے ہاں جو علوم و فنون پڑھائے جا رہے ہیں ان کے اندر بجائے خود کوئی نقص نہیں ہے۔ اصل خرابی یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگوں نے مرتب کیا ہے جو خدا کے ماننے والے نہیں ہیں اور ایسے طریقے سے مرتب کیا ہے جس سے خود بخود لوگوں کے ذہن میں ایک بے خدا کائنات کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ تصور پیدا کرتے ہیں کہ یہ سارے کا سارا نظام کائنات آپ سے آپ بن گیا اور آپ سے آپ چل رہا ہے۔ کوئی خدا اس کا بنانے والا اور اس کو چلانے والا نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرا تصور جس پر ان علوم کی ترتیب اور ان کے بیان کی بنا رکھی ہے وہ یہ ہے کہ انسان آپ ہی اپنا رہنما ہے، کسی خدا کی رہنمائی کی نہ اس کو حاجت ہے اور نہ وہ رہنمائی کسی خدا کے پاس سے آتی ہے۔ یہ دونوں تصور ہماری تہذیب کی

جڑ کاٹ دینے والے ہیں۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ علوم کی ترتیب و بیان کے اس اسلوب کو بدل کر انہیں خدا پرستی کی بنیاد پر مرتب اور بیان کریں۔ ہمیں سائنس اور فلسفہ اور عمرانیات کے سارے علوم پڑھنا ہے' ان کی ہر شاخ کو پڑھنا ہے اور ان تمام معلومات سے فائدہ اٹھانا ہے جو انسان کو آج تک حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن اگر ہم مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان تمام علوم کو مسلمان بنا کر پڑھنا ہوگا' ورنہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں' موجودہ ترتیب و بیان کے ساتھ یہ علوم ہمیں نا مسلمان بنا کر رہیں گے۔ یہ ہے ہماری تعلیم کا اصل مسئلہ اس کو ہم جتنی جلدی سمجھ جائیں اتنا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔

اسلام اور سائنس

بہت سے لوگ اس خیال کو سن کر بڑے پریشان ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سائنس کا آخر اسلام سے کیا تعلق۔ حالانکہ ان کی آنکھوں کے سامنے روس کی مثال موجود ہے جو سوویٹ سائنس کا قائل ہے آپ بتایئے کہ سائنس کا اگر اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے تو مارکسزم سے کیا تعلق ہے؟ کوئی کمیونسٹ اپنے اشتراکی معاشرے کے افراد کو بورژوا سائنس اور بورژوا فلسفہ و تاریخ اور معاشیات و سیاسیات وغیرہ پڑھانا پسند نہیں کرتا بلکہ ان سب علوم کو مارکسزم کے رنگ میں رنگ کر پڑھتا ہے تاکہ اشتراکی سائنس دان اور اشتراکی ماہرین علوم پیدا ہوں۔ بورژوا نقطۂ نظر سے مرتب کیے ہوئے علوم کو پڑھا کر کوئی اشتراکی معاشرہ پنپ نہیں سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ جس کی بھی کوئی اپنی تہذیب ہو جس کا بھی اپنا کوئی نظریہ حیات ہو' وہ اپنے نظریہ حیات کے مخالف لوگوں کے مرتب کردہ سائنس اور علوم و فنون اپنی نوجوان نسلوں کو پڑھانا پسند نہیں کرسکتا کیونکہ اس کے پڑھانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے تشخص کو ختم کردے اور دوسروں میں جذب ہو جائے۔

سائنس کے دو بنیادی شعبے

یہ کہنا کہ سائنس تو ایک عالمگیر چیز ہے' اس کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں فی الواقع بڑی نافہمی کی بات ہے۔ سائنس میں ایک چیز تو ہے وہ حقائق (Facts) اور قوانین فطرت (Natural Laws) جو تجربے اور مشاہدے سے انسان کے علم میں آتے ہیں۔ یہ بلا شبہ عالمگیر ہیں۔ دوسری چیز ہے وہ ذہن جو ان حقائق اور معلومات کو مرتب کرکے ان پر نظریات قائم کرتا ہے اور وہ زبان جس میں وہ ان کو بیان کرتا ہے۔ یہ چیز عالمگیر نہیں ہے بلکہ اس میں ہر تہذیب کے پیرووں کا اسلوب الگ الگ ہے اور فطرتاً" الگ ہونا چاہیئے۔ ہم اسی دوسری چیز کو بدلنا چاہتے ہیں نہ کہ پہلی چیز کو۔

مثال کے طور پر دیکھئے یہ ایک سائنٹیفک حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام دوسری چیزیں تو سرد ہو کر سکڑتی چلی جاتی ہیں مگر ان کے برعکس پانی جب سرد ہوتے ہوتے جمنے کے قریب پہنچتا ہے تو پھیل جاتا ہے اور برف بن کر ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے برف سطح آب پر تیرنے لگتی ہے یہ ایک امر واقعہ (Fact) ہے۔ اب ایک شخص اس چیز کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ پانی کی یہ خاصیت ہے اور واقعتہ" ایسا ہوا کرتا ہے۔ دوسرا شخص اسی واقعہ کو اسی طرح بیان کرتا ہے کہ خدا نے اپنی حکمت و ربوبیت سے پانی میں یہ خصوصیت اس لئے رکھی ہے کہ دریاؤں اور تالابوں اور سمندروں میں جان دار مخلوق باقی رہ سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پانی جم جم کر نیچے بیٹھتا چلا جاتا یہاں تک کہ پورے پورے سمندر اور تالاب اور دریا برف بن جاتے اور کوئی جاندار مخلوق ان میں زندہ نہ رہتی۔ دیکھئے ایک ہی امر واقعہ کو دو شخص اپنے اپنے طرز فکر کے مطابق دو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کا بیان پڑھنے سے آدمی کے ذہن پر دو مختلف اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ سے اسی واقعہ حقیقت کو بیان کیا جائے تو پڑھنے والے کے ذہن میں خدا کی توحید اور اس کی حکمت اور ربوبیت کا عقیدہ بٹھائے گا اور دوسرے طریقے سے یہی واقعہ بیان کیا جائے جس طرح موجودہ سائنس میں اس کو بیان کیا جاتا ہے' تو کسی شخص کے ذہن میں سرے سے خدا کا تصور آتا ہی نہیں بلکہ اس سے آدمی کے سامنے تصویر یہ آتی ہے کہ یہ سب کچھ آپ سے

آپ ہو رہا ہے۔ کسی صانع حکیم کی حکمت اور کسی رب قدیر کی پروردگاری اس میں کار فرما نہیں ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک طریقے سے اگر سائنس کو پڑھایا جائے تو اس سے ایک مادہ پرست سائنس دان تیار ہو گا اور دوسرے طریقے سے وہی سائنس پڑھایا جائے تو ایک مسلمان سائنسدان تیار ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کے دل میں ایمان کی گہری جڑوں سے راسخ کر دینے والا نہ ہو فزکس' کیمسٹری' بیالوجی' فزیالوجی' اناٹومی' اسٹرانومی' غرض جس علم کو بھی آپ دیکھیں اس میں ایسے ایسے حقائق سامنے آتے ہیں جو انسان کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔ سائنس کے حقائق سے بڑھ کر آدمی کے دل میں ایمان پیدا کرنے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہی تو وہ آیات الٰہی ہیں جن کی طرف قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے مگر صرف اس وجہ سے کہ کافر سائنسدان نے ان حقائق کو اپنے نقطہ نظر سے مرتب اور بیان کیا ہے۔ ان کو پڑھ کر آدمی الٹا مادہ پرست اور ملحد بنتا ہے اور خدا کے تصور پر ہنستا اور اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری حکومت اس فرق کو سمجھے اور اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ ہم بے خدا سائنس اور بے خدا فلسفہ اور اجتماعی علوم پڑھا کر خدا پرست انسان تیار نہیں کر سکتے۔ ہمیں اگر ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو جلدی سے جلدی ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہئے جو تمام علوم و فنون کی ترتیب کو بدلے اور ایسی نصابی کتابیں تیار کرے جن میں ان تمام علوم و فنون کو اسلامی نقطہ نظر سے مرتب کیا جائے۔ جب تک یہ کام نہیں کیا جائے گا میں کہتا ہوں ہمارا دین و ایمان ہی نہیں خود پاکستان کا وجود بھی مستقل خطرے میں ہے۔

ہماری حکومتوں کا دوسرا بڑا فرض

دوسری چیز جس کی طرف میں حکومت کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ اخلاقی تربیت کا مسئلہ ہے۔ یہ تربیت اگرچہ تمام ہی تعلیمی اداروں میں درکار ہے' مگر خاص طور پر

مختلف سرکاری ملازمتوں کے لئے آدمی تیار کرنے والے اداروں میں اس کی شدید ضرورت ہے۔ خواہ وہ فوج کی ٹریننگ کے ادارے ہوں یا پولیس کی ٹریننگ کے یا سول سروس کی ٹریننگ کے۔ ان تمام اداروں میں اسلامی اخلاق اور اسلامی تعلیم کو لازمی کیا جائے۔ اسلامی عقائد کو ذہن نشین کرایا جائے' اسلامی احکام کی پابندی کی عادت ڈالی جائے اور کسی قسم کے فسق و فجور کو راہ پانے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جو پاکستان کو مستحکم کرے گی۔ ہم ایک پولیس مین کو ٹریننگ دینا شروع کرتے ہیں اور اپنی جگہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جب اس کا نام عبداللہ یا عبدالرحمان ہے تو وہ مسلمان تو ہو گا ہی اس لئے ہمیں اس کو صرف پولیس ڈیوٹی کے لئے تیار کرنا ہے اسے مسلمان بنانے کے لئے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا میں ایک پولیس مین کو تربیت دینے کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے بس وہی کچھ ہم بھی اپنی پولیس ٹریننگ کے نظام میں کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ وہاں سے تربیت پا کر نکلتا ہے تو وہ پولیس ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے تو بخوبی تیار ہو جاتا ہے مگر اس کے اندر اسلامی اخلاق موجود نہیں ہوتے الا یہ کہ اللہ نے اس پر فضل کیا ہو اور اس کے اندر ہماری اس غفلت کے باوجود اسلامی اخلاق کے وہ اثرات باقی رہ گئے ہوں جو وہ ہماری ٹریننگ سے نہیں بلکہ کہیں اور سے لے آیا ہے۔ اس کے بعد اگر ہماری پولیس میں کوئی کرپشن ہو' اس کی سرپرستی میں جرائم پروان چڑھیں اور اس کے زیر سایہ اسمگلنگ ہوتی رہے تو پھر شکایت نہ کیجئے' کیونکہ آپ نے ایسی کوشش ہی نہیں کی جس سے ہماری پولیس اسلامی اخلاق و کردار کی حامل ہو۔ ہمارے ہاں مختلف ملازمتوں کی ٹریننگ کا جو انتظام ہے اس میں اور کسی کافر قوم کی ٹریننگ کے نظام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب لوگ وہاں سے نکلتے ہیں اور بڑے عہدوں تک پہنچتے ہیں تو سوائے ان لوگوں کے جن میں اسلامی اخلاق' اسلامی کردار اور اسلامی سیرت کسی دوسرے ذریعہ سے آئی ہے' وہ اچھے مسلمان افسر ثابت نہیں ہوتے۔

جہاں تک فوجوں کی تربیت کا تعلق ہے تو اگر بعض اسلامی ممالک کی فوجوں نے

بہترین کارناموں کا ثبوت دیا اور زبردست جذبہ جہاد اور شوق شہادت اور مجاہدانہ سرفروشی کا ان سے ظہور ہوا ہے' اس کا سرچشمہ ہماری فوجی تربیت میں کس جگہ ہے؟ اس کا سرچشمہ وہ مسلمان معاشرہ ہے جس کی بچی کھچی روایات نے ان کے دل و دماغ میں خدا' رسولؐ' آخرت' جہاد اور شہادت کے تصورات بٹھا رکھے تھے اور اسلام کی محبت کا بیج بو رکھا تھا۔ مگر یہ چیز ہماری تربیت کے نظام میں شامل نہیں تھی۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے وہ اثرات موجود تھے جو اس آڑے وقت میں ہمارے کام آگئے لیکن اگر ہم مسلسل اس معاشرے کو بھی بگاڑتے رہے تو یہ اثرات بھی آخر کب تک چلیں گے۔ آئندہ نسلوں کو یہ چیز کم سے کم تر ہی ملتی چلی جائے گی۔

ہماری درسگاہوں میں جو خواتین اب تیار ہو رہی ہیں ان کی گودوں سے پرورش پاکر نکلنے والے نوجوانوں میں ان اثرات کے باقی رہ جانے کی کم ہی امید کی جاسکتی ہے۔ یہ اثرات تو انہی لوگوں میں پائے گئے ہیں جنہوں نے اپنے گھروں میں اپنی ماؤں کو نماز پڑھتے دیکھا تھا جنہوں نے ان سے اللہ اور رسولؐ کا نام سنا تھا' جنہوں نے انہیں قرآن پڑھتے دیکھا تھا۔ مگر جو نئی مائیں اب تیار ہو رہی ہیں ان کے ہاں تو فلم ایکٹرسوں کا ذکر ہوتا ہے۔ نئی آنے والی فلموں پر تبصرے ہوتے ہیں' کھیل تماشوں کی گفتگو ہوتی ہے مگر اللہ اور رسولؐ کا نام مشکل ہی سے ان کی زبانوں پر کبھی آتا ہے۔ ان کی گودوں سے جو نوجوان پرورش پاکر نکلیں گے کیا ان سے آپ توقع کرتے ہیں کہ پھر وہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر جانیں دیں گے اور ان کے شہادت کے وہ تصورات ہوں گے جو اب اس وقت ہمارے نوجوانوں کے اندر پائے گئے' جن کی وجہ سے انہوں نے یہ شاندار قربانیاں دیں؟ اگر ہم فی الواقع اس ملک کے لیے اور اس ملک کے نظام زندگی کے لیے کٹ مرنے والے نوجوان تیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی فوجی تربیت کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی اسلامی تربیت دینے کی فکر بھی کرنی چاہیے جو دلوں میں ایمان کو گہرا بٹھا دے اور ان عقائد اور اخلاقیات کو نشوونما دے جن کی طاقت سے وہ

آئندہ اس سے بھی زیادہ قربانیاں دینے کے قابل ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جو ہمیں اپنے سے کئی گنا زیادہ بڑے دشمن کے مقابلے میں زندہ رکھ سکتی ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔